مرزا مظہر جان جاناںؒ

(اُن کا عہد اور اردو شاعری)

ڈاکٹر سیّد تبارک علی نقش بندی

مرزا مظہر جان جاناںؒ

اُن کا عہد اور اُردو شاعری

مرزا مظہر جان جاناںؒ

اُن کا عہد اور اُردو شاعری

(مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی، آگرہ یونیورسٹی۔ آگرہ سنہ ۱۹۷۴ء)

نگراں :۔ محمد عثمان قریشی

مصنّف

ڈاکٹر سیّد تبارک علی نقش بندی

اشاعت : ۱۹۸۸ء
تعداد : ۶۰۰
ناشر : ڈاکٹر سید تبارک علی نقش بندی
مطبع : ثمر آفسیٹ پرنٹرز، دلّی
قیمت : ۳۵ روپے

ملنے کے پتے

(۱) انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دِلّی
(۲) مکتبہ جامعہ لمٹیڈ دِلّی
(۳) ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دِلّی
(۴) حضرت شاہ ابوالخیر اکاڈمی۔ درگاہ حضرت شاہ ابوالخیر شاہ، شاہ ابوالخیر مارگ۔ دِلّی ۶

(یہ کتاب اُردو اکادمی دِلّی کے مالی تعاون سے شائع کی گئی ہے)

انتساب

اپنے برادر اکبر جناب مولانا سیّد
بشارت علی صاحب مرحوم سابق اُردو لکچرار
اسلامیہ کالج، فیروز آباد ضلع آگرہ، کے
نام جن کی پُر شفقت ذہنی، جسمانی و روحانی
تربیت اور گراں مایہ دعاؤں نے مجھے
اس مقام تک پہنچایا۔

فہرست

پیش لفظ

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ اٹھارہویں صدی کے اہم ترین نقش بندی صوفیوں میں سے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ لاکھوں کی تعداد میں روہیلے اُن کے مُرید تھے۔ ابتدائی جوانی سے حضرت مرزا مظہرؒ نے رشد وہدائت کا جو سلسلہ جاری کیا تھا وہ ماشاء اللہ اب تک جاری ہے۔

مرزا صاحب کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں، وہ نقش بندی سلسلے کے صوفی بزرگ ہیں، فارسی کے اہم شاعر ہیں اور شُمالی ہند میں جن حضرات نے اُردو شاعری کی بنیاد گزاری کی اور اُس کی ترقّی اور فروغ میں نمایاں حصہ لیا، اُن میں مرزا صاحب کا اہم مقام ہے۔ مرزا صاحب کے زمانے میں اُردو شاعری میں ایہام گوئی کو بہت مقبولیت تھی۔ اُردو شاعری اس زمانے میں الفاظ کی بازی گری تھی۔ سچّے جذبات سے زیادہ الفاظ کو اہمیت دی جاتی تھی۔ مرزا صاحب نے اُردو شاعری میں سادہ گوئی کو رواج دیا اور ایہام گوئی کے عیب سے پاک کیا۔ اُنھوں نے زبان کو بھی مانجھا اور صاف کیا۔ مرزا صاحب نے خود تو اُردو میں بہت کم شعر کہے لیکن اپنے شاگردوں کی ذہنی تربیت میں نمایاں حِصّہ لیا۔ اُن کے شاگردوں میں

انعام اللہ خاں یقین، خواجہ احسن اللہ بیان، محمد فقیہہ درد مند، ہیبت علی خاں حسرت، میر محمد باقر حزیں جیسے ممتاز شاعر شامل تھے۔

مرزا مظہر پر عبدالرزاق قریشی مرحوم نے چالیس پچاس سال پہلے کچھ مضامین لکھے تھے۔ ۱۹۶۰ء میں راقم الحروف نے مرزا مظہر جان جاناں کے نام سے دِلّی یونیورسٹی میں مقالہ پیش کیا۔ جس پر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری تفویض ہوئی۔ اسی دوران میں عبدالرّزاق قریشی ملیح آبادی صاحب نے مرزا صاحب پر اپنے مضامین کو بنیاد بنا کر ایک کتاب لکھی جو شائع ہو چکی ہے۔

اس کے بعد ڈاکٹر تبارک علی نے "حضرت مرزا مظہر جان جاناں، اُن کا عہد اور اُردو شاعری" کے موضوع پر آگرہ یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ تبارک علی صاحب نے مرزا صاحب کی شاعرانہ شخصیت اور شاعری میں اُن کی اہمیت اور اُن کے یوگ دان کا بھرپور جائزہ لیا ہے۔ جس میں وہ قابلِ تعریف حد تک کامیاب ہیں۔ تبارک علی صاحب نے اپنے موضوع کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا ہے۔ اس لیے وہ ہمارے شکریے کے مستحق ہیں۔

ڈاکٹر خلیق انجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

مقدمہ

ہندوستان میں اٹھارہویں صدی عیسوی سلطنت مغلیہ کے زوال کا زمانہ ہے۔ اسی عہد میں سلطنت مغلیہ کا ایک بادشاہ شاہ عالم ثانی گزرا ہے۔ باوجود علمی استعداد اور سنجیدگی کے حالات پر قابو پانا اور بگڑے ہوئے معاملات کو سنبھالنا بادشاہ کے امکان سے باہر ہوگیا تھا۔ یہ زمانہ فسادات سے بھرا ہوا تھا۔ امن وسکون مفقود تھا۔ عوام الناس کی جان و مال عزت و آبرو کے تحفظ کا کوئی انتظام نہ تھا۔ عوام الناس کے اخلاق حد سے زیادہ بگڑ چکے تھے۔ سیاسی زوال کے ساتھ ساتھ عوام الناس معاشی، مذہبی، اخلاقی و روحانی زوال کا شکار ہو رہے تھے۔

اللہ کی شانِ رحمت جوش میں آئی اور اس بدحالی و قحط الرّجالی کے زمانہ میں اس نے اپنی قدرت کاملہ سے نسخۂ انسانیت کی کلّی اصلاح کے لئے اسی زمانہ میں کچھ روحانی حکمار کو مبعوث فرمایا۔ ان بزرگوں میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، خواجہ میر درد اور حضرت میرزا مظہر جان جاناں ہیں۔

میرزا مظہر جان جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ جامع جمیع کمالات وجمالات ہیں۔ علمائے دہر اور صلحائے زماں نے آپکی شان والاشان میں قبلۂ اہل کمال و مخلص حضرت ذوالجلال قدوۂ اولیائے عصر، خلاصۂ اصفیائے دہر، دُرِ یگانۂ بحار معنی گوہر شاہوار شمسِ علوم ظاہر و باطن

منبعِ سنت پیغمبری و مظہر انوار سروری جیسے آداب و القاب سے یاد کرنے کے باوجود فرمایا ہے۔

تا قیامت گو بگو ئم این کلام　　　　صد قیامت بگذرد این ناتمام

کوئی آج اس کی برابر نہیں　　　　وہ سب کچھ ہے الّا پیمبر نہیں

آپ کے شعر و شاعری کا یہ عالم تھا کہ سنِ شعور سے مصرع موزوں فرمانے لگے تھے ادبی، اخلاقی، روحانی کونسی ایسی خوبی تھی کہ جو بدرجۂ اتم حضرت کی ذات گرامی میں موجود نہ تھی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذاتِ گرامی اور خمیرِ طینت میں ایسی خوبیاں اور صلاحتیں مجتمع فرمادی تھیں کہ آپ جس میدان میں پہونچے امام و پیشوا بن کر رہے۔ وہ دلی کی ادبی اور روحانی تحریکوں کی جان تھے۔ اردو شاعری میں وہ نقّاشِ اوّل ریختہ کے لقب سے ملقب ہیں۔ اُردو ادب و شاعری میں آپ کی ایسی اصلاحی خدمات ہیں کہ جن کی وجہ سے آپ اُردو ادب و شاعری کے مصلحِ اعظم و مجدّدِ اکبر کہلائے۔ آپ حقیقی صوفی شاعر ہیں۔ اسی لیے آپ کی غزلیات میں درد و سوز و گداز کے سمندر موجیں مار رہے ہیں۔ آپ کی روحانی وادبی اصلاحی خدمات کو جب تک دنیا باقی ہے اور اُردو زبان زندہ ہے بھلایا نہیں جاسکتا۔

اس احقر کو حضرت والاشان سے روحانی لگاؤ ہے۔ اپنی ابتدائی عمر میں جب میں حضرت کے اشعار پڑھتا تھا تو قلب و جگر کی عجیب و غریب کیفیت ہوجاتی تھی۔ جب میں نے ایم۔اے اُردو کا امتحان پاس کیا تو دیکھا کہ اُردو ادب میں آپ کا کیا مقام ہے اور احساس کیا کہ جو مقام ہے آپ کی ذات والاشان اپنی خدماتِ جلیلہ کی بدولت کہیں اس سے بھی زیادہ بڑے مقام کی متقاضی ہے۔ آنکھیں کھُل گئیں اور دل میں جذبہ پیدا ہوا کہ ایسے مصلحِ اعظم و مجدّدِ زبان وادب کے حالات زندگی اور خدمات زبان و شاعری کو منظر عام پر لایا جائے۔ چونکہ آپ کی ذات والاشان اظہر من الشمس ہے۔ اس لیے میری خواہش سورج کو چراغ دکھلانے پر صادق آتی ہے۔ مگر اس شمسِ بازغ و آفتابِ عالم تاب کی روشنی میں دِلی جذبات نے منزلِ مقصود تک پہونچایا۔ خوش بختی سے یہ احقر ۱۹۴۸ء میں ایک فانی مگر باقی بزرگ ... نا

سید ممتاز علی شاہ صاحب نقشبندی مجددی سے بیعت ہو چکا تھا۔ ان کی محفل وصحبت میں اپنے جد وبزرگ حضرت میرزا صاحب کے واقعات زندگی وحالات وکیفیات کو سنا کرتا تھا۔ ابھی اس عاجز کی تکمیل طریقت نہ ہونے پائی تھی کہ حضرت پیر مرشد موصوف اس عالمِ فانی کو چھوڑ کر عالم باقی میں پہنچ کر ذات باقی سے ملاقی ہو گئے۔ احقر وعاجز کو حضرت کے وصال سے اتنا غم والم ہوا کہ ساری دنیا میں اندھیرا ہی اندھیرا نظر آنے لگا مگر خوش قسمتی یہ تھی کہ حضرت مرحوم اپنے وصال سے ایک سال قبل ہی حضرت مولانا شاہ شاہ زید ابوالحسن شاہ صاحب فاروقی مجددی سجادہ نشین درگاہ خانقاہ مظہریہ شمسیہ کے نیاز و دیدار سے مشرف فرما چکے تھے۔ حضرت مرحوم کی جدائی کے ملال سے اضطرابی کیفیت میں ایک سوال دل ودماغ کے سامنے تھا کہ اب کیا کروں گا، رحمتِ خداوندی سے معاً دل ودماغ حضرت شاہ صاحب دہلوی کی طرف منتقل ہو گئے۔ اس خیال کا آنا تھا کہ یکایک قلب پر ایک سکون وسکینہ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اور آج یہ راز منکشف ہوا کہ ایک سال قبل حضرت مرحوم نے کیوں حضرت شاہ صاحب دہلوی کی خدمت میں بھیجا تھا۔ اشارۂ قلبی پاکر حضرت شاہ صاحب دہلوی سے منسلک ہو گیا۔ اب جامعۂ ازہر مصر یونیورسٹی کے فارغ التحصیل عالم ربّانی و پیر لاثانی کی صحبت میں شرف پانے اور ان کے ارشادات گرامی کے سننے کا موقع ملا۔ حضرت کی زبانِ گوہر بیان سے اپنے تمام بزرگوں اور بالخصوص حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے وہ حالات سننے میں آئے جو کہ ہمارے پیرانِ طریقت یکے بعد دیگرے اپنے اپنے مریدان وجانشینان کو سناتے چلے آئے تھے۔ ان واقعات اور حالات نے جذبات میں اور زیادہ اشتعال پیدا کر دیا۔ ایک دن حضرت والاشان کی خدمتِ فیض درجت میں اپنی دلی خواہش کا اظہار کر بیٹھا تو پیر مرشد موصوف نے حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں کے حالاتِ زندگی اور ان کے اردو کلام پر اپنے طور پر تحریر کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی اِدھر اجازت ملی اُدھر میں نے رجسٹرار آگرہ یونیورسٹی کی خدمت میں عالی جناب پروفیسر محمد عثمان قریشی کے توسل سے ریسرچ کے لیے درخواست بھیجدی بفضلہٖ مضمون منظور ہو کر مقالہ لکھنے کی اجازت مل گئی۔

اب فکر زیادہ بڑھ گئی۔ زندگی کی مشغولیت، کالج کی تعلیمی خدمات کا انجام دینا، اہل وعیال کی ذمّہ داریاں پوری کرنا اور ان سب کے باوجود اپنے طریقۂ نقش بندیہ کے معمولات تہجد سے اشراق تک ذکر وفکر اور مراقبات کو پورے کرتے رہنا ایسے امورِ زندگی میں مشغول رہتے ہوئے حضرت میرزا صاحب کو وسیلہ بنا کر اللہ کی توفیق پر اپنے کام کو شروع کیا اور کمرِ ہمت باندھ لی ہو اللہ الموفق والمعین یعنی اللہ ہی توفیق دینے والا اور مددگار ہے۔

باآں مظہر کہ بودہ جان جاناں   بچرخِ زہد وتقوی ماہِ تاباں

مجھ کو دہلی، آگرہ، بریلی، علی گڑھ وغیرہ کے موجودہ ترقی یافتہ زمانہ کے سفرہائے دشوار گزار بار بار کرنا پڑے۔ دہلی میں حضرت پیر ومرشد موصوف نے توجہاتِ خصوصی کے علاوہ اپنے ارشاداتِ گرامی، مکتوبات قلمی، اپنی گراں مایہ لائبریری کی کتب کے ذریعہ سے میری جو رہنمائی فرمائی میری گویائی میں قوتِ بیانیہ نہیں کہ حضرت کے ان احسانات کی توصیف کرسکوں۔ دراصل اگر آنحضرت پیر ومرشد کی توجہاتِ خصوصی نہ ہوتیں تو یہ عاجز اس مقالے کو مکمل نہیں کر سکتا تھا۔ میں محمدیہ لائبریری آگرہ کے مہتمم جناب مولوی عزیز احمد کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں کہ جنھوں نے مجھ کو اپنی لائبریری سے حضرت کے حالاتِ زندگی پر آگاہی حاصل کرنے کے لیے کتب ورسائل کے اشارے دیئے اور مطالعہ کا موقع دیا۔ میں اپنے مشفق ومکرم استاد عالی جناب پروفیسر محمد عثمان قریشی صاحب ایم۔ اے کا بے حد ممنون رہوں گا کہ جنکی رہنمائی سے میں اپنے مقالے کی تکمیل کرسکا۔ حضرت موصوف نے اپنی عنایات سے میرے لیے بریلی کالج کی لائبریری کے دروازے کھلے رکھے۔ مجھ کو اس موقعہ کے لیے ایک شعر یاد آتا ہے۔

تو ہی نادان چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

آپ نے نہایت شفقت ومحبّت سے اس عاجز کی رہنمائی فرمائی۔ باوجود اپنی مشغولیت

کے پورے مقالے کو پڑھ کر مشورے دیئے اور اصلاح فرمائی۔ میں سمجھتا ہوں کہ مقالے کی تکمیل آپ کی رہنمائی کی برکات سے ہی ہے۔ میں جناب پروفیسر تسنیم قریشی شعبۂ اُردو علی گڑھ یونیورسٹی کے احسان وعنایت کو کبھی نہ بھلا سکوں گا کہ آپ نے میری اعانت فرمائی اور اپنے سیمنار کی کتب کے مطالعہ کا موقع دیا۔ میں مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ یونیورسٹی کے لائبریرین صاحب اور جناب انصاری صاحب کا بے حد مشکور ہوں کہ ان حضرات نے مجھ کو مطالعۂ کتب کا زیادہ سے زیادہ موقعہ دیا۔ اسی طرح میں اپنے دوست پروفیسر وسیم صاحب بریلوی اور ان کے بہنوئی اور اپنے برادرِ طریقت اسلام احمد نقش بندی مجددی ایم کام بریلوی کا بھی بیحد ممنون ہوں کہ ان حضرات نے میرے اس مقالے کی تیاری میں ہر امکانی امداد و معاونت کرنے میں بیحد جانفشانی فرمائی۔ اللہ جزائے خیر دے۔

میں اپنے کرم فرما ڈاکٹر خلیق انجم صاحب کا تہِ دل سے ممنون ہوں جنھوں نے نہ صرف یہ کہ اس کتاب کی اشاعت کے لیے اُردو اکاڈمی دِلّی سے مالی امداد منظور کروائی بلکہ اشاعت کے سلسلے میں اپنے مفید مشوروں سے بھی نوازا۔ علاوہ بریں میں اُردو اکاڈمی دہلی کے تمام اراکین خصوصاً سیّد شریف الحسن نقوی سکریٹری اُردو اکاڈمی دہلی کا بے حد شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اس کتاب کے لیے مالی اعانت منظور فرما کر طباعت میں میرے لیے آسانی پیدا کی۔ آخر میں میں اپنے عزیز انیس احمد صاحب کی معاونت کو کبھی نہیں بھلا سکتا ہوں۔ جزاہم اللہ خیراً۔

سیّد تبارک علی نقش بندی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بابِ اوّل

ا۔ مرزا صاحب کے حالاتِ زندگی

قبلۂ اہلِ کمال مخلص حضرت ذو الجلال حضرت مرزا مظہر جان جاناں رح کے بزرگوں میں سے ایک بزرگ حضرت امیر کمال الدّین صاحب ہیں۔ جن کا سلسلہ نسب ۱۹ واسطوں سے محمد بن حنفیہ کے توسط سے شیر بیشۂ کبریا امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ، سے ملتا ہے۔ امیر کمال الدین صاحب کی اولاد کا سلسلہ اس طرح ہے کہ ان کے بیٹے خواجہ رُستم شاہ اور خواجہ رستم شاہ کے بیٹے امیر محمدان کے بیٹے امیر غلام محمّد ان کے بیٹے باباخان ان کے بیٹے شاہ بابا سلطان ان کے بیٹے مرزا احمد امان ان کے بیٹے مرزا عبد السبحان ان کے بیٹے مرزا جان اور مرزا جان کے بیٹے مرزا جانِ جان یا بالفاظ دیگر جانِ جاناں رح۔ اس طرح امیر کمال الدّین سے مرزا مظہر جانِ جاناں تک نو پشتیں ہوتی ہیں۔ حضرت مرزا مظہر جاں جاناں کا سلسلہ نسب ۲۸ واسطوں[1] سے محمد بن حنفیہ کے توسط سے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا کر ملتا

---

[1] نسب شریف ایشاں بہ بست وہشت واسطہ بتوسط محمد بن حنفیہ با میر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ می رسد (مقامات مظہری صفحہ ۱۵ از شاہ غلام علی شاہ رح)

ہے۔ اسی لئے حضرت مرزا مظہر جان جاناں سادات علویہ[1] میں سے ہیں۔ ان کا سلسلہ نسب بیک نظر حسب ذیل تفصیل سے دیکھا جا سکتا ہے۔

۱۔ شیر بیشۂ کبریا حضرت علی کرم اللہ وجہہ

ان کی انیسویں پشت میں

۱۹۔ حضرت امیر کمال الدین۔

۲۰۔ خواجہ رستم شاہ

۲۱۔ امیر محمدؒ

۲۲۔ امیر غلام محمدؒ

۲۳۔ امیر باباخاں

۲۴۔ شاہ باباسلطان

۲۵۔ مرزا محمد امان

۲۶۔ مرزا عبدالسبحان

۲۷۔ مرزا جان

۲۸۔ مرزا جان جان عرف مرزا جان جاناں[7]

مرزا صاحب کے اجداد میں باباخان اور ان کے بھائی مجنوں خاں (محبوب خاں) ترکستان سے ہندوستان آئے تھے۔ چونکہ ان کے اجداد میں سے ایک بزرگ جو کہ طائف کے رہنے والے تھے۔ آٹھویں صدی ہجری میں طائف سے ترکستان چلے گئے تھے۔ اسی لیے ان کی اولاد باباخان اور مجنون خان ترکستان میں سکونت پذیر رہے اور جب ہمایوں نے شاہ ایران کی امداد سے دوبارہ سلطنت ہند حاصل کرنے

---

[1] چونکہ مرزا صاحب کے بزرگ ترکستان سے ہندوستان آئے تھے اس وجہ سے مصحفی کو آپ کے سادات علویہ نہ ہو کر ترک ہونے کا شبہ ہوا ہے یہ محض غلط ہے حقیقت یہ ہے کہ مرزا صاحب سادات علویہ سے ہیں۔ (رقعہ ثریا مطبوعہ انجمن ترقی اُردو جامعہ برقی پریس ۱۹۴۴ء صفحہ ۵۵ — ۵۶)

کے لیے ہندوستان کی طرف مراجعت کی تو ان کے ساتھ مرزا صاحب کے اجداد میں سے یہ دو بھائی یعنی امیر بابا خان اور مجنون خان (محبوب خاں) بھی ہندوستان آئے ۔ اور یہاں آکر ہمایوں کی فوج میں اور ہمایوں کے بعد سلطان محمد جلال الدین اکبر کی افواج میں اہم عہدوں پر فائز رہ کر معزز و مکرم رہے ۔ ماں کی طرف سے ان کا سلسلۂ نسب امیر تیمور سے جاکر ملتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سید غلام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ حالات مرزا صاحب میں ارقام فرمایا ہے کہ مرزا صاحب کے ابائے کرام امرائے عظام میں سے تھے اور سلاطین تیموریہ سے قرابت رکھتے تھے ۔ اور امیر عبد السبحان دو واسطوں سے اکبر بادشاہ کے نواسے ہوتے ہیں ۔ شاہ صاحب اپنے رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں :۔

" آبائے کرام ایشاں امرائے عظام بودند
و قرابت بسلاطین تیموریہ دارند ۔ باوصاف
حمیدہ و خصال پسندیدہ موصوف بودند و
بمروت و عدالت و شجاعت و سخاوت و
کمال دینداری معروف امیر عبد السبحان کہ
بدو واسطہ نواسۂ اکبر بادشاہ میشوند جدِّ
آنحضرت اند "

(از حضرت سید شاہ غلام علی شاہ صاحب)

اس کے علاوہ حضرت مولینا سید نعیم اللہ بہرائچی بھی اپنے رسالہ معمولات مظہریہ میں فرماتے ہیں ۔

" ذکر جدِّ شریف ایشاں ۔ باوجود منصب
پادشاہی در طریقۂ چشتیہ مردم را مرید می گرفتند
و مقامات عالی می داشتند ہمہ سواران و پیادگان
بلکہ خدمت گاران وغیرہ ہمراہیان تہجد گزار و

(حاشیہ صفحہ نمبر ۲۰ پر)

شب خیز بودند"۔

عبدالرزاق[1] صاحب قریشی نے ان حضرات کی تردید کی جو قابل قبول نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ ان حضرات کے مقابلہ میں عبدالرزاق[1] صاحب قریشی حضرت مرزا صاحب کے حالات زندگی سے زیادہ آگاہی نہیں رکھ سکتے ہیں۔ کیونکہ ان بزرگوں نے حضرت مرزا صاحب کی صحبت میں رہ کر ان کی زبانِ گوہر بیان سے ان کے حالات زندگی سُنتے تھے اور چشمِ بصیرت افزا سے حالات کا مشاہدہ کیا تھا۔ لہذا شنیدہ کے بود مانند دیدہ[2]۔ حضرت مرزا صاحب کے دادا میرزا عبدالسبحان باوجود منصبِ شاہی پر فائز ہونے کے چشتیہ سلسلے کے اولی العظم بزرگوں میں سے تھے۔ اور بے حد خدا ترس وعابد و زاہد بزرگ تھے۔ حضرت مرزا صاحب کی دادی شاہی وزیر اسد خاں کی خالہ زاد بہن (ہمشیرہ) بقول مولوی نعیم اللہ صاحب بہرائچی اور بقول حضرت سید شاہ غلام علی شاہ صاحب دہلوی آصف الدولہ نواب اسد خاں کی لڑکی تھیں۔

(حاشیہ صفحہ نمبر ۱۹ کا) عبدالرزاق صاحب قریشی نے حضرت سید شاہ غلام علی شاہ صاحب کی مقامات مظہری کی تحریر صفحہ ۱۵۔

[1] دو آبائے کرام ایشاں امرائے عظام بودند و قرابت بسلاطین تیموریہ دارند" کی تردید حضرت مرزا صاحب کے مکتوب اوّل کلمات طیبات کی عبارت "پدرم بجبرم خاں مذکور (بابان خان) کہ درعہد اکبر مصدر بغی شدہ بود بعار کم منصبی گرفتار بود" کو پیش کرتے ہوئے کی ہے اور لکھا ہے کہ "اس لئے شاہ غلام علی شاہ صاحب مقامات مظہری کا یہ بیان قابل قبول نہیں ہو سکتا کہ آبائی کرام ایشان (میرزا مظہر) امرائے عظام بودند" یہاں پر قریشی صاحب کو مغالطہ ہوا ہے اور انھوں نے لفظ آبائے کرام سے صرف حضرت کے والد صاحب کی طرف اشارہ کیا ہے ہے حالانکہ حضرت کا مقصد آپ کے مورثان اعلیٰ اور بزرگان سے ہے کہ وہ امرائے عظام میں سے تھے۔ کیا حضرت کے والد ماجد کی کم منصبی سے پہلے کے بزرگوں کے منصب میں خدانخواستہ کوئی کمی آسکتی ہے اور جب کمی نہیں آسکتی ہے تو حضرت شاہ غلام علی شاہ صاحب کی بات ناقابل قبول کس طرح سے ہو سکتی ہے۔

[2] حاشیہ صفحہ نمبر ۲۱ پر۔

بہرصورت خاندان عالیہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ اپنے خاندان کے تعلق سے شیعہ تھیں لیکن حضرت مرزا صاحب کے دادا حضرت میرزا عبدالسبحان کی صُحبت کے فیض سے سُنّی ہوگئی تھیں۔ یہ نہایت عبادت گزار اور پاک باطن تھیں۔ اپنی باطنی صفائی کی وجہ سے جمادات کی تسبیحات سماعت فرماتی تھیں اور مستورات کو مولانائے رومؒ کی مثنوی کا درس دیتی تھیں۔ اپنے شوہر کی طرح سے ذوق وشوق ومحبت خدا میں سرشار رہتی تھیں۔ اسی طرح حضرت کی والدہ ماجدہ اوصاف حمیدہ کی حامل تھیں۔ یہ نہایت عفیفہ و پارسا و خدا ترس تھیں۔ جود وسخا میں بے نظیر تھیں۔ عابدہ اور زاہدہ ہونے کی وجہ سے اپنے شوہر کے دل میں بے حد مہابت رکھتی تھیں۔ جیسا کہ آپ کے والد ماجد آپ سے ذکر فرمایا کرتے تھے۔ مرزا صاحب "مرا از نور و اوصافِ حمیدۂ والدۂ شما بسیار مہابت در دل غالب است" "معمولاتِ مظہری صفحہ ۱۴" یہ عالی خاندان و رئیسانِ شیخ زادہائے بیجاپور سے تھیں۔ اپنے عالی خاندان کی اعلیٰ صفات ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔ یہ اپنے خاندان کا ایک جگمگاتا اور روشن آئینہ تھیں۔ حضرت مرزا صاحب کے والد بزرگوار کا نام نامی میرزا جان تھا۔

(حاشیہ صفحہ نمبر ۲۰ کا) حضرت شاہ غلام علی صاحب حضرت مرزا صاحب کی صحبت میں ۱۵ سال اور حضرت مولوی نعیم اللہ صاحب چار سال تک رہے ہیں جیسا کہ ان کے بیانات موجود ہیں۔ حضرت شاہ غلام علی کی پیدائش ۱۱۵۸ھ میں ہوئی ۱۱۸۰ھ میں حضرت مرزا صاحب سے مرید ہوئے اور پندرہ سال تک ذکر و مراقبہ میں شریک ہوکر شرف سعادت حاصل کیا۔

حضرت مولوی نعیم اللہ بہرائچی آپ کے مرید رشید نے چار سال تک دہلی میں رہ کر اپنے پیرومرشد کی صحبت کا فیض حاصل کیا۔

"در سنہ ہزار و یک صد و ہشتاد کہ عمر شریف بیست و دو سالہ بود در خانقاہ شریف حضرت شہید رسیدند"

"پانزدہ سال در حلقۂ ذکر و مراقبہ شریف سعادت یافتم" (رسالہ عبدالغنی مجددی ضمیمہ مقامات مظہری)

"تا چہار سال کامل اکتساب برکات طریقہ علیہ می نمودند" (معمولات مظہری از مولوی نعیم اللہ)

تذکرہ مرزا جان والد بزرگوار مرزا مظہر جانِ جاناںؒ

مرزا عبد السبحان کے نورِ چشم مرزا جان تھے۔ یہی مرزا مظہر جان جاناں کے والد تھے۔ آپ شاعری بھی کرتے تھے اور شاعری میں تخلص جانی سے مشہور رہیں اپنے زمانہ کے بہترین لوگوں میں سے تھے۔ اکثر علوم میں ماہر اور یدِطولیٰ رکھتے تھے۔ سلوک میں اخذ طریقہ طریقۂ قادریہ سے کیا ہے۔ آپ کے نامی گرامی پیر شاہ عبدالرحمٰن قادری ہیں کہ جن کی ایک نگاہ سے اکثر لوگ بیہوش ہو جاتے تھے۔ مرزا مظہر جان جاناںؒ کے والد ماجد اورنگ زیب عالمگیر شہنشاہِ ہند کے منصب داروں میں سے تھے۔ عہد عالم گیری کے ایک بہت بڑے عالم مرزا محمد زاہد نے حضرت مرزا جان کی شان میں تذکرہ شاہ ولی اللہ میں تحریر فرمایا ہے کہ ۔

"تقریرِ مرزا جان، جانِ من است" حضرت مرزا جان عہد عالم گیری میں قاضی تھے۔ چونکہ آپ کے قلب و روح بر منصبِ فقر و قناعت کا غلبہ تھا اسی لئے شاہی منصب وجاہ و دولت کو ترک کر دیا تھا اور اسباب جاہ و حشم کو اللہ کے راستے میں فقراء میں تقسیم کر دیا تھا۔ پچیس ہزار روپیہ اپنی دختر نیک اختر کے نکاح کے لئے بچا رکھے تھے حضرت کو معلوم ہوا کہ ان کے دوستوں میں سے ایک دوست کو پیسے کی سخت حاجت ہے سب روپیہ ان کو عطا فرما دیا۔ کمالات انسانی اور اخلاق رحمانی میں یگانۂ روزگار تھے وفا و حیا، شکر و صبر میں یکتائے روزگار تھے۔ آپ کا توکل حد سے زیادہ بڑھا ہوا تھا ایک دفعہ گھر میں کدو کی بیل لگا لی تھی

لہ "شاہ حضرت عبدالرحمٰن قادری جذب قوی و تاثیر تمام می داشتند و اکثر مردم از یک نگاہ بیہوش می گشتند" (معمولات مظہری از مولوی نعیم اللہ صفحہ ۱۱)

آپ کی لونڈی نے عرض کیا کہ آپ توکّل کا دعوی رکھتے ہیں اور گھر میں کدو کی بیل لگا رکھی ہے ہو سکتا ہے کہ فقر و فاقہ کے وقت اس بیل کے برگ و بار سے پیٹ بھر لیا جائے۔ آپ نے فوراً کدو کی بیل کو اکھڑوا دیا۔ ایک بار آپ کے پیر و مرشد حضرت شاہ عبد الرحمن قادری آم تناول فرما رہے تھے اور وہ ترش تھا آپ نے اپنے ترش شیرۂ آم کو زمین پر دھن مبارک سے نکال کر ڈال دیا۔ حضرت مرزا جان نے باوجود نزاکت مزاجی کے کمال عقیدت و رسوخ رکھتے ہوئے خاک آلود شیرہ کو اپنی زبان سے زمین سے اٹھا کر نوش فرما لیا۔ اس عمل کی برکت سے آپ کی کیفیات میں بے حد عروج پیدا ہو گیا۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے مکتوب اوّل میں ہے کہ آپ کے والد ماجد کا وصال ۱۱۳۰ھ میں ہوا۔ "در سال ہزار و صد و سی انتقال ازیں عالم فرمودہ۔ (کلمات طیّبات)[1]

ولادت باسعادت حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ

مرزا مظہر جان جاناںؒ کے والد ماجد جب اپنے عہدہ سے استعفیٰ دے کر دکن سے آگرہ تشریف لا رہے تھے تو بمقام کالا باغ جو کہ حدود مالوہ میں واقع ہے حضرت مرزا مظہر نیّر اعظم و آفتاب معظم بتاریخ ۱۱ رمضان المبارک شب جمعہ وقت فجر ساعت سعید میں تولد ہوئے آپ کا سن ولادت زیادہ تر رایوں کے مطابق ۱۱۱۱ ہجری ہی قرین قیاس ہو رہا ہے۔ حالانکہ اس میں اختلاف ہے اور ۱۱۱۲ھ پر بھی قیاس کیا جاتا ہے۔ مگر عام طور پر تذکروں میں ۱۱۱۱ھ ملتا ہے۔

---

[1] کلمات طیّبات مکتوب ۱ صفحہ ۱۴

جناب عبدالرزاق صاحب قریشی نے ۱۱۱۳ھ پر زیادہ زور دیا ہے اور خلیق صاحب انجم نے ۱۱۱۰ھ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ میری رائے سے ۱۱۱۱ھ زیادہ قرین صحت معلوم ہوتا ہے کیونکہ اسی سن کے متعلق زیادہ ثبوت اور تحقیقات فراہم ہیں جو کہ حسب ذیل وضاحت سے ثابت ہے۔

(۱) حضرت مولوی سید نعیم اللہ صاحب بہرائچی سال ولادت ۱۱۱۱ھ پر زیادہ زور دے کر قرینِ قیاس ۱۱۱۱ھ ہی مانتے ہیں۔ حضرت ایشاں علیہ الرحمۃ والغفران در ۱۱۱۱ھ ہزار وصد و یازدہ ہجری است و بقولے سیزدہ چناں کہ حضرت ایشان در مکتوبے نوشتہ اند اما روائت اولی حساب عقود رشتۂ سالگرہ و موافق قول حضرت ایشاں است کہ در عنواں عالیشان دیوان خود بیان فرمودہ است ہزار وصد و ہفتاد ہجری است و مدت عمر بہ شصت رسیدہ صحیح می نماید[1]۔ اس جگہ صاحب معمولات مظہری اور خود حضرت مرزا مظہر ۱۱۱۱ھ پر متفق ہیں۔

(۲) مرزا صاحب کے مرید رشید سید شاہ غلام علی شاہ صاحب بھی سب سے پہلے ۱۱۱۱ھ تاریخ ولادت پر ہی زور دیتے ہیں بعد کو ۱۱۱۳ھ بھی تحریر فرماتے ہیں۔

(۳) تاریخ ولادت بہ حساب ابجد کے متعلق بھی حضرت سید شاہ غلام علی شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ حضرت کی تاریخ ولادت بحساب ابجد دو تاریخیں ہیں اور دونوں سے تاریخ ولادت بحساب اعداد بھی ۱۱۱۱ھ ہی نکلتی ہے۔ آپ کی تاریخ ولادت بحساب ابجد[1] طلوع شمس الملت والدّین[2] اور نمبر دو "تولد صاحب شرع" ہیں علاوہ بریں تاریخ ولادت بحساب ابجد نکالتے ہیں صحیح اعداد نکالتے ہیں۔

(۴) حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عالیشان دیوان کے

---

[1] معمولات مظہری صفحہ ۵

[2] "طلوع شمس الملت والدّین" و "تولد صاحب شرع"، تاریخ ولادت آمد (مقامات مظہری از سید شاہ غلام علی صفحہ ۱۶)

عنوان میں بھی خود ہی بیان فرمایا ہے کہ آج ایک ہزار ایک سو سترہ ہجری ہے اور میری عمر کی مدت ساٹھ تک پہنچ چکی ہے ۔ اس کے متعلق یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۷۰ھ میں جب کہ اپنے عالیشان دیوان کا عنوان تحریر فرمایا ہے اس وقت حضرت نے اپنی عمر تخمیناً ۶۰ سال کو ساٹھ سال فرمایا ہے اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ کی تاریخ پیدائش یقیناً ۱۱۱۱ھ ہی زیادہ صحیح ہے ۔ مذکورہ بالا وضاحت سے ۱۱۱۳ھ کے مطابق شواہد ہیں مگر کم لہذا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولوی نعیم اللہ اور سید شاہ غلام علی صاحب بھی ۱۱۱۱ھ کے بعد یا لگا کر ۱۱۱۳ھ تحریر فرماتے چلے آئے ہیں ۔ اول الذکر قابل ترجیح ہے واولی ادالی ہے ۔ اسی روایت اولی پر ہی حضرت مولانا نعیم اللہ بہرائچی نے زور دیا ہے ۔ چونکہ کلمات طیبات کے مکتوب نمبر ا صفحہ ۱۴ پر حضرت میرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود اپنی تاریخ پیدائش ۱۱۱۳ھ بتلائی ہے ۔ اسی لئے برابر لوگوں نے دونوں تاریخوں یعنی ۱۱۱۱ھ اور ۱۱۱۳ھ کو بیان کیا ہے ۔ جس میں ۱۱۱۱ھ زیادہ اغلب ہے جیسا کہ میں اوپر ثابت کر آیا ہوں ۔

بہرصورت آپ کی ولادت مبارک نے ظلمات زمانہ کو انوار الٰہیہ سے بدل دیا ۔ آپ کے طالع کا زائچہ ہوبہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زائچہ سے ملتا ہے ۔ صرف دو مقامات پر اختلاف رکھتا ہے ۔ آثار رشد و ہدایت آپ کی مبارک پیشانی سے ہویدا تھے آپ کی جبین مبارک سے فہم و ذکا کے انوار درخشندہ تھے ۔ اہل بصیرت و ارباب فراست آپ کو دیکھ کر سمجھ گئے تھے کہ آپ اہل کمال کے سردار ہوں گے ۔ آپ کی ولادت کے بعد نام تجویز کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی چونکہ اس زمانہ میں

لہ ولادت باسعادت آن سعید وقت و مسعود زماں یعنی حضرت ایشان ماعلیہ الرحمۃ والغفران در ۱۱۱۱ھ ہزار و صد و یازدہ ہجر بست و بقولے سیزدہ چنانکہ حضرت ایشاں در مکتوبے نوشتہ اند اما روایت اولی مطابق حساب عقود رشتۂ سالگرہ و موافق قول حضرت ایشانست (معمولات مظہری صفحہ ۵)

شاہانِ مغلیہ میں اور ان کے امراء میں یہ دستور جاری تھا کہ جب کسی امیر کے یہاں بچّہ پیدا ہوتا تھا تو اس کے نام کی تجویز یا چند اسمائے مجوّزہ میں سے ایک نام منتخب کرنے کے لیے بادشاہِ وقت کو رجوع کرتے تھے۔ اسی دستور کے موافق آپ کے والد ماجد جو کہ عالم گیر بادشاہ کے امراء میں سے تھے حالانکہ آپ مستعفی تھے۔ مگر نام تجویز کرنے کے لئے بادشاہ عالم گیر کو رجوع کیا گیا۔ عالم گیر نے فرمایا کہ چونکہ بیٹا باپ کی جان کے برابر ہوتا ہے۔ اور باپ کا نام میرزا جان ہے اس لیے بیٹے کا نام جانِ جاں بہتر ہے اور چونکہ آپ محبوب ارواح ہیں اسی لئے بعد کو یہ نام بدل کر "جانِ جاناں" ہو گیا۔ اور یہی نام آپ کی حیات میں مشہور ہو گیا اور آپ نے اپنے خطوط میں جان جاناں کا استعمال کیا ہے۔ اس طرح آپ کا نام جان جانان تخلص مظہر اور لقب شمس الدین حبیب اللہ ہے آپ نسباً علوی اور مذہباً حنفی ہیں۔ ومشرباً نقش بندی ہیں۔ جیسا کہ آئندہ واقعات سے کلّی طور پر واضح ہو جائے گا۔

صاحب معمولات مظہریہ ارقام فرماتے ہیں کہ حضرت میرزا مظہر جان جاناں کے شیر خوارگی کے زمانہ سے ان کی جبینِ مُبین سے انوار عشق حقیقی و آثار بزرگی ظاہر تھے۔ ان کے رگ و ریشہ میں عشق حقیقی پیوست تھا اور مصداق "اللہ جمیلٌ یحبّ الجمال" یعنی اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ آپ ایام طفولیت اور شیر خوارگی کے زمانہ سے مائل بحسن و جمال تھے۔ خوبرو کی آغوش میں بہ رغبت تمام چلے جاتے تھے اور ان کی آغوش سے جدا نہیں ہوتے تھے۔ مگر جب حیلہ و بہانے سے جدا کیے جاتے تھے۔ چونکہ آپ کے والد ماجد کا وطن آگرہ ہی تھا۔ اسی لئے آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت آگرہ میں ہی ہوئی تھی۔

تعلیم و تربیت

جیسا کہ اوپر تذکرہ کیا گیا ہے کہ آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت آپ کے والد ماجد کے وطن شریف آگرہ میں ہوئی تھی۔ بعد کو حضرت میرزا صاحب نے اپنا مسکن و مامن دہلی کو بنایا اور آخر عمر تک دہلی ہی میں رہے اور خانقاہ مظہریہ میں مدفون ہوئے۔ آپ کے والد ایک بہت بڑے عالم اور صوفی صافی تھے لہذا اپنے لخت جگر کی تعلیم و تربیت نہایت خوبی سے کی۔ اور باوجود میرزا صاحب کے صغر سن ہونے کے کسب کمال کے لئے تقسیم اوقات کی تاکید فرماتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ وقتِ عزیز اور عمر شریف کا کوئی بدل نہیں ہے۔ اس لئے عمر و وقت کو بے جا برباد نہ کرنا چاہئے۔ اپنے لخت جگر کو فنون جنگ و سپاہ گری اور ہنر و صنائع[۲] کی تعلیم دیتے تھے۔ فارسی زبان کے ابتدائی رسائل اپنے والد ماجد[۳] سے پڑھے۔ قرآن شریف حافظ قاری عبد الرسول دہلوی تلمذ شیخ القراء شیخ عبد الخالق سے پڑھا۔ علم تجوید اور قراءتِ کی تعلیم بھی اُنھیں سے حاصل کر کے سند حاصل کی۔ علم حدیث و تفسیر حاجی محمد افضل سیالکوٹی سے پڑھا۔ جو شیخ المحدثین شیخ عبد اللہ بن سالم مکی کے شاگرد تھے۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں نے بہ نفس نفیس اپنی تعلیم و تربیت کا تذکرہ کلمات طیبات کے مکتوب اول میں کیا ہے۔

۱؎ میر تقی میر نکات الشعراء صفحہ ۵ ۔۔۔ ۲؎ مقامات مظہری صفحہ ۱۶

۳؎ از حضرت سید شاہ غلام علی شاہ صاحب۔

"علوم متعارف در عہد پدر خواندہ بود و کتب
حدیث درخدمت حاجی محمد افضل سیالکوٹی
تلمیذ شیخ المحدثین شیخ عبداللہ ابن سالم مکی گذرانیدہ
و قرآن مجید را از حافظ عبدالرسول دہلوی تلمیذ
شیخ القرار شیخ عبدالخالق شوقی سند کرد "[1]

حضرت میرزا صاحب نے دینی اور دنیوی دونوں طرح کے علوم میں کمال حاصل کیا تھا۔ آپ کے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم امیر ہوگئے تو ارباب ہنر کی قدر و شناخت کروگے مگر میری خواہش ہے کہ فقیری و ترک دنیا اختیار کرو تاکہ آپ کو اہلِ پیشہ اور ہنرمندوں کی حاجت نہ رہے۔ اسی لئے آپ کو ہر طرح کے ہنر و فن کی مہارت پیدا ہوگئی تھی۔ حتیٰ کہ ہر پیشہ اور ہنر والا آپ کو اپنے ہنر میں اپنا استاد تسلیم کرتا تھا۔ پائجامہ کو پچاس طریقے سے قطع کر سکتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ اسلحہ کے استعمال میں اتنا کمال رکھتے تھے کہ اگر بیس آدمی تلوار کھینچ کر مجھ پر حملہ آور ہوں اور میرے ہاتھ میں صرف ایک لکڑی کی لاٹھی ہو تو بھی کوئی شخص مجھ کو زخم نہیں پہنچا سکتا ہے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ مغرب کی نماز کے بعد جب آپ نے سلام پھیرا تو اندھیرے میں ایک شخص نے آپ پر تلوار کا وار کیا اتفاق سے اسی وقت بجلی چمکی اور روشنی میں آپ نے تلوار اس کے ہاتھ سے چھین کر اس کو واپس دے دی اس بے حیا نے آپ پر پھر حملہ کر دیا پھر تلوار اس سے لے کر آپ نے اسی کو واپس دے دی۔ یہی واقعہ سات بار عمل میں لایا گیا آخر کو حریف نے معذرت چاہی اور آپ کے قدمِ مبارک پر گر پڑا۔[2]
ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ گھوڑے پر سوار تشریف لے جارہے تھے کہ ایک مست ہاتھی اثنائے راہ میں آپ کے مقابل آگیا۔ ہاتھی بان چلایا کہ دور ہٹو ایک طرف ہوجاؤ۔ حضرت میرزا صاحب فرماتے ہیں کہ میرے دل نے نہ چاہا کہ ایک حیوان کے مقابلہ

---

[1] کلمات طیبات مکتوب اوّل صفحہ ۱۴ [2] مقامات مظہری از سید شاہ غلام علی صفحہ ۱۷

سے ہٹ کر بچنے کی کوشش کروں۔ ہاتھی نے بڑے غصے کے ساتھ اپنی سونڈ میں لپیٹ کر مجھ کو اٹھالیا۔ میں نے خنجر کو میاں سے کھینچ کر اس کی سونڈ پر اس زور سے مارا کہ ہاتھی چیخ مار کر بھاگ گیا اور مجھ کو چھوڑ گیا اور میں فضل الٰہی سے سلامت رہا۔
آپ کے مرید رشید حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اپنی تحریر و کتاب کے عنوان میں حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں کے علم و فضل کا تذکرہ جن الفاظ میں کیا ہے وہ انہی کا حق ہے۔

" قبلہ اہل کمال مخلص حضرت ذوالجلال قدوۂ اولیائے عصر خلاصہ اصفیائے دہر دریگانہ بحار معنی گوہر شاہوار درگاہ سبحانی درعلوم ظاہر مثل شمس اظہر و در حقائق باطن مثل جان ارفع و استر دو اسم مبارکش گواہند بریں مدعا شب و روزش دو شاہد بر کمال و تقویٰ اے کتاب ہمہ دانی وائے تاویل متشابہات قرآنی وائے منبع سنت پیغمبری وائے مظہر انوار سروری۔ مثنوی

اے مرا چون مصطفیٰ من چون عمر — از برائے خدمتت بندم کمر
اے لقائے تو جوابِ ہر سوال — مشکل از تو حل شود بے قیل وقال
ترجمانے ہر چہ مارا در دل است — دستگیری ہر کہ پائش در گِل است

تا قیامت گر بگویم ایں کلام
صد قیامت بگذرد ایں ناتمام

آپ کی وضع قطع و حُلیہ شریف

مرزا صاحب کا قد مبارک کشیدہ اور بلند تھا۔ آپ نہایت حسین و جمیل

لہ معمولات مظہری صفحہ ٦ از مولوی نعیم اللہ بہرائچی ۔

تھے۔حسن وجمال کے ساتھ ساتھ نازک مزاجی اور مرزائیت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔
حسن وجمال کی خوبی کے ساتھ ساتھ مزاج میں اعلیٰ درجے کی ظرافت تھی۔طریق سنت
کے مطابق عمامہ باندھتے تھے اور قمیص پیش چاک پہنتے تھے[1]۔مرقع شعراء مرتبہ
رام بابو سکسینہ میں جو ان کا فوٹو دیا گیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی پیشانی
کشادہ باریک بھویں۔بڑی بڑی آنکھیں ناک لمبی اور ستواں۔گھنی ڈاڑھی ہے۔

آپ کی وضع وقطع میں بے حد سادگی تھی۔سفید وشفاف لباس زیب تن فرمایا
کرتے تھے۔انشا اپنی تحریر میں لکھتے ہیں کہ جب میں مرزا صاحب سے ملنے گیا
تو وہ سفید قمیص سفید کلاہ پہنے ہوئے تھے۔اور کاندھوں پر ناشپاتی رنگ کا ڈوپٹہ
سموسہ بنا کر ڈال رکھا تھا[2]۔بے حد نازک مزاج ہونے کے باعث دوسرے کا کام
کم پسند آتا تھا۔ہر کام میں باقاعدگی خوش سلیقگی دیکھنا چاہتے تھے۔ذراسی بیقاعدگی
طبع نازک پر گراں گزرجاتی تھی۔نازک مزاجی کا یہ عالم تھا کہ اگر چارپائی میں ذراسی
کان ہوتی تو اس چارپائی پر آپ کو نیند نہ آتی تھی اور رات بھر کروٹیں بدلا کرتے تھے۔
لکھا ہے کہ ایک مرتبہ امروہہ میں خانقاہ شاہ عبدالباری میں حضرت مرزا صاحب قیام
پذیر ہوئے آپ کے سونے کے لیے ایک نفیس اور عمدہ سوتلی سے بنی ہوئی چارپائی
کا اہتمام کیا گیا۔آپ رات بھر کروٹیں بدلتے رہے اور نیند نہیں آئی۔جب صبح کو
چارپائی کو ناپ کر دیکھا گیا تو اس میں ہلکی سی کان تھی۔غرضیکہ آپ کی نازک مزاجی مشہور
خاص وعام ہے۔بعض لوگوں کے دماغ میں آپ کی یہ نازک مزاجی ایک عیب نظر آئے گا
مگر یہ خود ان لوگوں کا عیب ہوگا۔ہر چیز کی باقاعدگی اور بے قاعدگی میں خوبصورتی
اور بدصورتی چھپی ہوتی ہے۔ایک معمولی سی چھڑی کو مکان کے صحن میں بے قاعدہ ڈال
دیا جائے تو سارے صحن کو بدصورت بنا دے گی اور اسی کو اگر ایک مقام خاص پر

---

[1] معمولات مظہریہ صفحہ ۱۳۱۔

[2] دریائے لطافت صفحہ ۳۹۱۔

باقاعدہ رکھ دیا جائے تو وہ مکان کی زیب و زینت اور بڑھا دے گی یہ ایک مثال ہے۔ آرٹ میں جب چند چیزوں کو قرینہ اور باقاعدگی سے سجا دیتے ہیں ڈزائن بن جاتا ہے اور خوبصورتی پیدا ہو جاتی ہے جب کہ انہیں چیزوں کو بے قرینہ رکھنے سے بدصورتی پیدا ہو جاتی ہے۔ آپ حسین وجمیل تھے اور ہر ہر شئے میں حسن و جمال کی جھلک ملاحظہ فرماتے تھے۔ بمصداق "اللہ جمیلٌ" "ویحبّ الجمال" اس بات کو وہ لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں جن کے دل و دماغ میں جمال کو دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت ہو۔ پھر ہر شخص کو آپ جیسی صلاحیت کہاں سے نصیب ہو سکتی ہے مجھ کو یہ بات اس وجہ سے لکھنی پڑی کہ خلیق صاحب انجم نے تحریر فرمایا ہے کہ "ان کے مریدوں نے مرزا صاحب کی اس خوبی کے بیان میں اتنا غلو کیا کہ یہ اُن کی خرابی نظر آنے لگی" میں گزارش کرتا ہوں کہ نہ غلو کیا گیا اور نہ مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ حقیقت کا بیان کیا گیا ہے۔ لہذا خرابی کا سوال نہیں پیدا ہوتا ہے۔

"کار پاکاں را قیاس از خود مگیر" پر خیال کرکے آپ کی ہر ادا میں خوبی ہی خوبی نظر آنے کی ضرورت ہے۔ آپ کی خوبیوں کے متعلق کسی نے خوب کہا ہے۔

زہے پیر و مرشد زہے پیشوا — کوئی کیا کرے اس کی مدح و ثنا
نپٹ مدح کا قافیہ تنگ ہے — کہ اس فخر سے اس کے ننگ ننگ ہے
خدیو سخن میرزا جانِ جان — کہ حکم اس کا ہے ناطقہ پر رواں
ہے اس کا لقب ذوالجلالِ سخن — کہ بندے ہیں اس کے سب اربابِ فن
سب اربابِ فن انہی سے ہیں مستفید — کہ علم و ادب اس کے دونوں مرید
کرے کیوں نہ مشکل دو عالم کی حل — کہ اس کا ید اللہ ہے با نہ بل

کوئی آج اس کی برابر نہیں
وہ سب کچھ ہے الّا پیمبر نہیں

آپ کے حلیہ وضع قطع کے متعلق مولانا نعیم اللہ بہرائچی تحریر فرماتے ہیں۔

"قد مبارک کشیدہ و بلند بود عمامہ بطور سنت

می یستند وقمیص پیش چاک می پوشیدند۔
واوقاتِ زندگانی بطور سنت صرف می نمودند۔[۱]

حالات شہادت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ

جب حضرت کا سنِ شریف ۸۰ اسی سال سے زیادہ ہو گیا تو ہر خاص و عامؒ میں ذکر رحلت وطلب دعائے خیر خاتمہ وانتظار ملاء اعلی و اظہار تمنائے درجۂ اعلائی شہادت وکلمات متضمن وصایا موعظت وو داع ورخصت کے ظاہر کرنے شروع کر دئے۔ اپنے خاص دوستوں اور مخصوص سے کہنا اور لکھنا شروع کر دیا چنانچہ مُلّا عبدالرزاق کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔ ملاقات ہونا قسمت پر موقوف ہے۔ اخیر عمر ہے اگر زندگی میں میسّر نہیں ہوئی تو بشرط سلامت ایمان انشاءاللہ تعالیٰ بہشت میں خاطر خواہ ملاقاتیں ہوں گی۔ خاتمہ بالخیر کی دعا میں یاد رکھیں اصل عبارت فارسی میں مکتوب نمبر ۳۸ بنام صاحب زادہ مرید حسن " ملاقات موقوف بر وقت مقدرست وعمر اخیرست اگر در زندگی میسر نشد انشاءاللہ تعالیٰ بہ شرط ایمان در بہشت برخوردہائے خاطر خواہ ہم کرد بہ دعائے خیر خاتمہ یاد دارند" ملّا عبدالرزّاق کو تحریر فرماتے ہیں کہ وقت رحلت نزدیک پہنچ گیا ہے۔ عمر اسّی سال سے زیادہ پہنچ چکی ہے۔ ملاقات کی توقع نہیں رہی ہے کہ مجھ کو سیر وسفر کی طاقت نہیں رہ گئی ہے اور آپ کو بھی فرصت نہیں ہے۔ میر محمد مبین صاحب کو تحریر فرماتے ہیں کہ میر مسلمان صاحب کی جانگداز خبر سے کیا تحریر کروں کہ مجھ پر کیا گزری۔ بیت۔

---

[۱] معمولات مظہری صفحہ ۱۳۶ احوال شہادت آنحضرت۔

"یار رفت و ما چون نقش پا بہ خاک افتادہ ایم   سایہ میگرد ید کاش ایں نارسا افتا گی"

خدا کا شکر ہے کہ ہم بھی بر سر راہ ہیں میر مکھو صاحب کے خط سے مغلانی بیگم مرحومہ و مغفورہ کی فوت کی خبر نے دل کو داغدار اور جان کو بے دماغ کر دیا۔ بیگم خانصاحب کے تمہارے ملال کے اندیشے نے پتہ پانی کر دیا بہر حال سب مصیبتیں گزر تی ہیں اور ہم کو جانا ہے۔ وہ سانس جو کہ خدا کی یاد میں گزرے غنیمت ہے اور میر محمد معین صاحب کو تحریر فرماتے ہیں۔ کہ آپ کے والد بزرگوار جو کہ ہزاروں خوبیوں کے حامل وجامع تھے ان کے انتقال نے اس جہاں میں ایک داغ بطور یادگار چھوڑا ہے اور بس تحریر عبارت عزا پرسی تکلف سے خالی نہیں ہے۔ کیونکہ ہم اور وہ ہم عمری کے تقاضے سے چند قدم آگے پیچھے اس جہاں سے ہم سفر ہوں گے۔ اب اصلی وطن کی طرف رجوع کا وقت ہے۔ چند سانسوں کے فاصلے سے قافلے کے ساتھ ہیں بیت۔

"امروز گر از رفتہ عزیزاں خبری نیست + فردا است دریں بزم زما ہم اثرے نیست"

حضرت سید موسیٰ خان دہیدی کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"ارادۂ حج داریم ناتوانی وبے سامانی رخصت
نہ داد سفر دراز آخرت در پیش است حق تعالیٰ
بتصدقات حضرات بآسانی بمنزل مقصود رساناد"

یعنی حج کا ارادہ رکھ رہے ہیں لیکن ناتوانی اور بے سامانی اجازت نہیں دیتی ہے سفر آخرت سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حضرات کے صدقے میں منزل مقصود تک آسانی سے پہنچادے۔ میاں محمد قاسم صاحب کو تحریر فرماتے ہیں یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

"خط شما کہ طومار ملال بود رسید و ملول
گرد انید برادر من مکرر نوشتہ ام کہ فقیر در دعائے

۱؎ کلمات طیبات مکتوب ۳۶

خیر شما تقصیر نمی کنم تاثیر موقوف بر وقتِ است ایں ہمہ ضعف و ناتوانی کہ ہمیشہ در خطوط شما مرقوم می گردد مرا بسیار مشوش می سازد کہ خفقان شدید دارم۔ سورۂ لِایلاف کہ برائے وقع شرّ بہ از و نسخہ نیست و دعائے حزب البحر ہمچنیں بخوانید و مولوی نعیم اللہ صاحب و فقیر بدعا مقید ایم و تاحال کہ از شر مردم محفوظ ماندہ اند اثر ہمیں سبب است و بعد ازیں ہم متوقع حفظ و امان باشند جزئیات را نوشتن کہ فلانے با شما چنیں سلوک بد نمود و فلانے چناں کرد چہ ضرور است و تحریر جواب خطوط از ضعف نمی توانم حالا بدوستاں نوشتہ ام کہ امیدوار و منتظر جوابہا نباشند یا خطوط نہ نویسند کہ معذور مردہ ام و مرا طاقت رفتن بہ مسجد جامع بروز جمعہ نماندہ است و بخانہ ہم نمی روم قوت آں کجا است کہ متوجہ بعلم الٰہی شوم و دریابم کہ در حق فلاں کس چہ مناسب است شما اگر دریں ایام حاضر می بودند حال مرا دریافتہ متصدع نمی شدند و فردا خبر رحلت فقیر خواہند شنید و ہر چہ بخاطر شما رسد بعمل آرند امّا اوّلاً استخارہ کہ در حدیث است بکنند بعد ازاں ہر چہ پیش خواہد آمد درآں خیر است والسّلام ضعف و ناتوانی از حد گذشتہ است و امراض متعدّد مستولی شدہ نماز فرض ایستادہ می خوانم وبس و در حلقہ ہر دو وقت قریب صد کس حاضر می شوند حیرانم کہ قوتِ توجہ از کجا می آید غذا بقدر چہار دام باقی است و رفتن تا بیت الخلا حکم سفر دارد و دریں سال سقوط قوت بسیار شدہ مرا از جسد خود ایں توقع نہ بود و در خدمتِ مولوی صاحب نعیم اللہ بگوئید کہ خطِ طولانی ایشاں رسید و مطالب معلوم گردید یارانِ حلقہ سلام رسانند و طاقت تحریر جواب نیست دعائے خیر خاتمہ نمائند اِنتہیٰ ''

مذکورہ بالا خط کا ترجمہ اردو دان حضرات کی ضرورت کے لئے تحریر کیا جاتا ہے۔ تمہارے پریشانیوں سے بھرے خطوط نے پریشان کر دیا میرے بھائی مکرر لکھ چکا ہوں کہ فقیر تمہارے لئے دعائے خیر میں کبھی تقصیر نہیں کرتا تاثیر وقت آنے پر ہی ہوتی ہے۔ یہ تمام ضعف اور کمزوری جس کا تم ہر خط میں ذکر

کرتے ہو مجھے پریشان کر دیتی ہے کیونکہ میں شدید خفقان کا مریض ہوں دفع شر کے لئے سورۂ لایلاف سے بہتر کوئی نسخہ نہیں ہے۔ سورہ لایلاف اور دعائے حزب البحر پڑھو۔ مولوی نعیم اللہ صاحب اور فقیر دعا کرتے رہتے ہیں۔ انہیں دعاؤں کی وجہ سے تم اب تک شرِ مردم سے محفوظ ہو۔ اس کے بعد بھی حفظ وامان کی توقع رکھو۔ کیا ضروری ہے کہ تم ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں لکھو کہ فلاں نے تمہارے ساتھ ایسا سلوک کیا اور فلاں نے ایسا۔ نقاہت اور کمزوری کی وجہ سے خط کا جواب نہیں دے سکتا۔ اب دوستوں کو لکھ دیا ہے کہ جواب کے منتظر نہ رہیں۔ کیونکہ میں معذور ہوں اور مردہ ہوں۔ جمعہ کو جامع مسجد بھی جانے کی طاقت نہیں رہی اور گھر بھی نہیں جاتا۔ اتنی قوت کہاں ہے کہ علم الٰہی کی طرف متوجہ ہوں اور معلوم کروں کہ فلانے کے حق میں کیا مناسب ہے اگر آج کل تم یہاں ہوتے تو میرا حال دریافت نہ کرتے۔ کل یا پرسوں فقیر کی رحلت کی خبر سن لوگے۔ جو کچھ تمہارے دل میں آئے اس پر عمل کرو۔ لیکن جیسا حدیث میں ہے پہلے استخارہ کر لو۔ اس کے بعد جو کچھ ہوگا وہ ٹھیک ہی ہوگا۔ ضعف اور ناتوانائی حد سے گزر چکی ہے اور بہت سے امراض نے گھیر لیا ہے۔ صرف نماز فرض کھڑے ہو کر پڑھتا ہوں۔ اور دونوں وقت حلقے میں تقریباً سو مرید حاضر ہوتے ہیں۔ حیران ہوں کہ توجہ کی طاقت کہاں سے آجاتی ہے۔ چار دام کے قریب غذا باقی ہے۔ بیت الخلا جانا حکم سفر رکھتا ہے۔ اس سال طاقت بہت زایل ہو گئی۔ مجھے خود اپنے جسم سے یہ توقع نہ تھی۔ مولوی نعیم اللہ بہرائچی صاحب سے کہہ دیجئے کہ ان کا طویل خط ملا حالات سے آگاہی ہوئی۔ یاراں حلقہ کو سلام پہنچا دیجئے۔ مجھ میں جواب دینے کی طاقت نہیں ہے۔ خاتمہ بالخیر کی دعا کریں۔ والسلام۔

اکثر فرمایا کرتے تھے کہ لڑکپن کے زمانہ میں فقیر میں اور فقیر کی ہمشیرہ میں ایک عہد و پیمان[1]

---

[1] معمولات مظہری صفحہ ۱۳۸ در بیان شہادت ہمشیرۂ آنحضرت وعہد وپیمان آنحضرت)

ہوگیا اور قسم کھالی تھی کہ دونوں میں سے جو کوئی پہلے انتقال کرے گا دوسرا اس کی موفقت کرے گا۔ کیونکہ دونوں میں باہم بے حد محبت تھی۔ جب فقیر کی ہمشیرہ کا وقت آخر پہنچا ایک بار میری طرف کو دیکھا اور اس وعدہ کو یاد کرکے اور اپنے تنہا سفر آخرت پر رونے لگیں۔ میں نے کہا کہ میں اپنے وعدہ کو پورا کرنے کے لئے ثابت قدم ہوں۔ کٹار کی ایک ضرب سے کام تمام ہوسکتا ہے لیکن اس صورت میں باہم اتفاق مشکل ہے کہ تم النفساء شہیدۃ یعنی نفاس کی حالت میں شہیدوں میں شامل ہوکر جنت کو چلی جاؤ گی اور مجھ کو حرام موت کی وجہ سے دوسری جگہ لے جائیں گے۔ ناچار فقیر نے اپنی چادر کو چاک کیا اور کفنی کی طرح جسم پر پہن لی اور کہا بحکم "موتوا قبل ان تموتو" یعنی مرنے سے پہلے مرجاؤ کے حکم رسول صلعم کے مطابق اپنے کو مردہ خیال کرلیا اور تمہارا ساتھ دل وجان سے بجالا رہا ہوں۔ کیونکہ زندگی کا مقصد حظوظ نفسانی حاصل کرنا ہے۔ اس کو آپ کی محبّت کے راستے میں فدا کررہا ہوں۔ رب اشعث لو اقسم باللہ لابرہٗ (جو کوئی زولیدہ مو کسی بات پر خدا کی قسم کھالیتا ہے تو خدا اس کی قسم کو پورا کر دیتا ہے۔ اسی لئے خداوند تعالیٰ نے حضرت میرزا صاحب کو بھی درجہ شہادت بخش دیا۔ اور پوری پوری موافقت جو کہ ان کو منظور تھی نصیب ہوئی۔ حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ کیا عجیب بات ہے کہ لوگ موت سے ڈرتے ہیں حالانکہ حدیث صحیح ہے کہ جب روح جسم سے منقطع ہوجاتی ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ و رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کا شرف حاصل ہوتا ہے اور فرماتے تھے کہ فقیر کو ان حضرات کی ارواح دولت ملاقات سے شرفیاب ہونے کی بے حد آرزو ہے۔ ایک جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم، دوم جناب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سوم جناب امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ چہارم سیدالطائفہ حضرت جنید بغدادی کہ سارا تصوف ان کی آستین سے

لہ معمولات مظہری صفحہ ۱۳۸ -

برآمد ہوا ہے پنجم حضرت خواجہ بہاء الدین محمد نقشبند ششم حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور یہ بھی فرماتے تھے کہ فقیر نے ایک بار معاملہ میں خود کو دیکھا تھا کہ گویا میں مردہ ہوں اور لوگ میرے جنازے کی تجہیز و تکفین کر کے چاہتے ہیں کہ اٹھائیں یکایک جنازہ ہوا میں اُڑا ناچار سب حاضرین اس جنازے کے پیچھے چل دیئے۔ اور اس فقیر کی روح قالب سے جدا ہو کر جنازہ کے ہمراہ ہی قافلے کے ساتھ چل رہی ہے۔ یہ تماشہ ہو رہا تھا کہ ناگاہ درج ذیل رباعی جو کہ فقیر نے کہی تھی یاد آگئی۔

مظہر تشویش چشم و گوشی نشوی ‍ ‍ ‍ سرمایۂ جوشی و خروشی نشوی[1]

باید کہ بپائے خود روی تا سر گور ‍ ‍ ‍ اے جوہر پاک بار دوشی نشوی

گویا یہ خواب درجہ شہادت حاصل ہونے کے لئے ایک اشارہ تھا۔ کہ آں حضرت جس سے مشرف ہوئے۔ صاحب زادہ مرید حسین بیان کرتے ہیں کہ آپ کی شہادت سے چند روز پہلے اشعار کی اصلاح لینے کے ارادے سے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور استدعا کی کہ میرے والد آنجناب کے شاگرد تھے۔ میں بھی اپنے دل و دماغ میں حضرت کی شاگردی کی تمنّا رکھتا ہوں۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف۔ فرمایا فقیر کو اس وقت ان چیزوں کا دماغ کہاں اور کس کو فرصت ہے۔ جو سانس اللہ کی یاد میں گزرتا ہے غنیمت ہے۔ کیونکہ آج کل میں فقیر کے دار البقا کی طرف کوچ کرنے کی خبر سنو گے۔ لیکن یہ ایک بیت یادگار کے طور پر یاد رکھیں[2]۔ "لوگ کہتے ہیں مر گیا مظہر + فی الحقیقت میں گھر گیا مظہر"۔ آپ کی زبان مبارک پر یہ قصّہ اکثر آیا کرتا تھا کہ ہر گاہ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ مجروح

---

[1] معمولات مظہری صفحہ ۱۳۹

[2] معمولات مظہری صفحہ ۱۳۹ (حالا فقر را دماغ ایں چیزہا کجا و فرصت کرا دے کہ دریادِ او تعالیٰ گزرد غنیمت۔ چراکہ امروز فردا خبر کوچ فقیر بدار البقا خواہند شنید۔ لیکن بینے جہت یادگار بیاد دارند۔ بیت۔ لوگ کہتے ہیں مر گیا مظہر + فی الحقیقت میں گھر گیا مظہر)

ہوئے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی تھی کہ اگر رشتہ حیات باقی ہے تو مجرموں سے مواخذہ کا کام میرے سپرد رکھو ورنہ ہرگز ہرگز قاتل سے قصاص نہ لیں۔ باوجودیکہ میں حضرت کے کتوں سے بھی کم ہوں۔ میرے دل کے اوپر یہ بات منقوش ہے کہ اگر حق سبحانہ تعالیٰ مجھکو دولت شہادت سے مشرف فرمائے میرا قصاص معاف ہے۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ جوانی میں اسباب مہیا ہونے کے باوجود بعض جنگوں میں حاضر ہونے کے مواقع تھے۔ یہ دولت حاصل نہ کر سکا لہذا اب ضعیفی و پیری کے زمانہ میں کس طرح سے حاصل ہوگا۔ مگر جناب حق سبحانہ تعالیٰ کی درگاہ سے ناامید نہ ہونا چاہیئے۔ کہ وہ ہر ایک چیز اور ہر کام کے اوپر قادر ہے اور ہر طرح کی قوت رکھتا ہے۔ حضرت کو انتقال سے چند روز قبل رفیق اعلیٰ سے ملاقی ہونے کا شوق غالب آیا۔ ہر لحظہ استغراق و مشہود رہنے لگے۔ وظائف اور عبادات میں کثرت شروع کر دی۔ ان دنوں ارباب طریقہ کا اژدھام زیادہ ہو گیا۔ احباب فوج در فوج آکر داخل طریقہ ہونے لگے مخلصوں کے ساتھ ذکر و مراقبہ بجمعیت تمام ہونے لگے۔ دونوں وقت سو آدمیوں سے زیادہ صحبت مبارک میں حاضر ہوتے تھے وانوار و برکات میں حضرت کی توجہات شریفہ سے بہ حدِ کمال ترقی حاصل کرنے لگے۔ مُلّا نسیم کو وطن سے رخصت فرماتے ہوئے فرمایا کہ پھر ہماری تمہاری ملاقات ہونا ممکن نہیں یہ ایک کلمہ حضرت کے قرب انتقال کی طرف اشارہ تھا۔ احباب کے دلوں پر غم والم چھا گئے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ مُلّا عبدالرزاق کو کہ عمر اسّی سے زیادہ ہو چکی ہے وقت نزدیک پہنچ گیا ہے دعائے خیر میں یاد لاتے رہیں۔ اسی طرح سے دوسرے عزیزوں کو واقعۂ ناگزیر کی تحریریں بھیجنے لگے۔ ایک روز اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تفضلات میں کوئی آرزو فقیر کے دل میں نہیں چھوڑی کہ جو حاصل نہ ہوئی ہو۔ حقیقی اسلام سے مشرف کیا علم سے حظِ وافر بخشا اور نیک اعمال پر استقامت کرامت فرمائی۔ لوازم طریقہ میں سے کشف، تصرّف، کرامت جو بھی چاہیئے سب کچھ

بخش دیا۔ صالح لوگوں کو کسب فیض کے لئے بندہ کے پاس بھیجا اور ان کو طریقہ کے مقامات پر پہنچایا۔ اور اپنی ہدایت کے راستے پر مقرر کر دیا دنیا اور اہل دنیا سے الگ رکھا۔ اور دل میں اپنے سوا کسی کو جگہ نہ دی۔ اب کوئی آرزو باقی نہیں رہی جو حاصل نہ ہوئی ہو مگر شہادت ظاہری کی آرزو۔ دولت شہادت کہ وراثت آبائی ہے کرامت فرمائیے اس نعمت عظمیٰ کے حصول کی دعا بدرجہ اجابت پہونچی جس کی تفصیل یہ ہے کہ ۷ محرم الحرام ۱۱۹۵ھ بدبخت شیعہ کی گولی کا نشانہ سینہ مبارک پر لگا۔

اس واقعہ کو ذرا تفصیل کے ساتھ حضرت کے مرید رشید سید شاہ غلام علی شاہ صاحب نے اس طرح پر بیان فرمایا ہے کہ شب چہار شنبہ ۷ محرم الحرام ۱۱۹۵ھ کو ابھی ایک پہر رات گزری تھی کہ چند آدمی حضرت کے دروازے پر آئے اور آواز دی۔ خادم نے عرض کیا کہ چند آدمی حضرت کی زیارت کے لئے آئے ہوئے ہیں۔ فرمایا کہ آجائیں۔ تین آدمی اندر آئے اس میں سے ایک مغل ولائت زادی تھا۔ حضرت خوابگاہ سے نکل کر اس کے برابر آکر کھڑے ہو گئے۔ مغل نے پوچھا کہ مرزا جان جاناں آپ ہی ہیں؟ فرمایا کہ ہاں۔ دوسرے دو شخصوں نے تائید کی کہ ہاں مرزا جان جاناں آپ ہی ہیں۔ پس اس بدبخت نے طمنچہ کی گولی حضرت پر داغ دی۔ گولی بائیں پہلو میں دل کے قریب لگی۔ حضرت ضعف و ناتوانی و پیری کے باعث طاقت نہیں رکھتے تھے زمین پر گر گئے خاک و خون میں غلطیدہ ہو گئے۔ زبان حال سے اپنے دیوان کے اشعار ترنم کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

سیل خون از سینۂ گرمم رواں کردہ است عشق
نازم اعجازش کہ طوفان از تنور آوردہ است

زخم دل مظہر مبادا بہ شود آگاہ باش
کہ ایں جراحت یادگار ناوک مژگان اوست

جائے رحم ست اے ہجوم آہ وائے سیلاب اشک
یادگار از من ہمیں مشت غبار ماندہ است

۱؎ مقامات مظہری صفحہ ۷۰ از سید شاہ غلام علی شاہ۔

دل مجروح می دانم کہ راہ با خدا دارد　　　　شگاف دانہا بیشک نشانِ سُبحہ می باشد

جب ایک ساعت کے بعد افاقہ ہوا لوگوں کا اژدہام دیکھا فرمایا الحمد اللہ ایک سنت جدِّ من یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حاصل ہو گئی اور ایک ہنوز باقی ہے۔ خدائے تعالیٰ اس کو بھی اپنے فضل عمیم سے عطا کرے۔ کہ پرانی آرزو یہی ہے اور بس۔ اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ شہید ہونے کے تین روز تک زندگی کی مہلت پا سکے تھے۔ فقیر بھی اسی قدر مہلت پائے۔ ایسا ہی ہوا۔ پتہ نہیں اس میں کیا حکمت چھپی ہوئی تھی بادشاہ شاہ عالم ثانی نے صبح حضرت مرزا صاحب کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم نے مجرموں و مفسدوں کی تلاش کروائی لیکن کچھ پتہ نہیں چلا۔ آپ کچھ سراغ و نشان دہی فرمائیں تاکہ مجرمون کو اُن کے جرم کی سزا دی جائے۔ مرزا صاحب نے جواب میں کہلا بھیجا کہ بندہ کشتہ راہ خدا بود و کشتہ را کشتن داخل جرم نیست۔ یعنی فقیر تو راہ خدا میں پہلے سے ہی مرا ہوا تھا۔ اور مرے ہوئے کو مارنا کوئی جرم نہیں جو کہ قصاص کی بات پیدا ہو۔ اور اگر اتفاق سے مجرم ہاتھ آجائیں تو انہیں میرے پاس بھیج دیا جائے۔ تاکہ طریقیت کے دستور کے مطابق انہیں معاف کر دیا جائے۔ اور ان کی احسان مندی کا اظہار کر دیا جائے کیونکہ آخر مجھ کو اس دنیا سے کرنا ضروری ہے۔ بیت۔

آں کشتہ ہیچ حق محبت ادا نہ کرد
کز بہر دست و بازوئے قاتل دعا نہ کرد

سوز دل از ہر بن مُو تم نمایاں کردہ اند　　　　این جفا جویاں مرا سر و چراغاں کردہ اند
صبح این شب دیدہ ام خوابے کہ از اعجاز حسن　　　　رو سفیدم روز حشر این مُو سیاہاں کردہ اند
تشنہ مُردن بود شخصے کہ سیر از زندگی است　　　　از جفا کم کشتہ اند اما چہ احسان کردہ اند
شفیعم روز حشر این دیدۂ نمناک می گردد　　　　ازیں آب رواں آخر حسابم پاک می گردد

دوسرے روز نواب نجف خان شیعی وزیر بادشاہ شاہ عالم ثانی نے انگریز جراحوں کو حضور پر انور کی خدمتِ اقدس میں بھیجا۔ حضرت نے فرمایا کہ دعا کے بعد کہنا کہ اگر رشتۂ حیات درکارگاہ تقدیر سالم ہے تو مسلمان جراحوں کے ذریعہ سے ہی خدا شفا بخشیں گے اور اگر نہیں ہے تو آخیر سانسوں کے وقت کفارِ فرنگ سے امداد واستعانت آئین اسلام کے خلاف ہے ؎

زندگی بے منت ارآید میسر باک نیست
ہمتش نازم کہ ممنونِ مسیحا می شود

اگر مظہر بایں ہمت زخضر آبِ بقا خواہد
زننگِ زندگانی تا دمِ مُردن خجل باشد

آخرکار بہ تبصرفات خود حضرت تین دن تک حیات رہے بروز سوئم بوقت شام عاشورہ کے دن کی شب دہم اپنے جد و بزرگوار حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح سے جانِ شیریں راہ مولیٰ میں فدا کردی اور شربت شہادت ساقیٔ ازل کے دست خاص سے پی لیا۔ ”فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ“ شہیدانِ کربلا کے زمرہ میں داخل ہو گئے۔

مرزا صاحب کا مزارِ پُرانوار

۱۰ محرم کو آپ کا تابوتِ مبارک تعزیہ کے ہمراہ جارہا تھا یعنی اُدھر تعزیے اٹھ رہے تھے اور اِدھر آپ کا جنازہ اٹھ رہا تھا۔ عزیزان و یاران جنازہ کے ہمراہ غم والم میں ڈوبے ہوئے جارہے تھے۔ نماز جنازہ ہونے کے بعد حضرت بی بی صاحبہ کی حویلی میں جو کہ محلہ چتلی قبر میں واقع ہے۔ استراحت فرما ہوئے۔ اس وقت آپ کے دیوان کا یہ شعر کتنا بروقت موزوں ہے۔

نہ کرد مظہر ما طاعتی ورفت نجاک نجات خود بتولائے بوتراب گذاشت

حضرت سید شاہ غلام علی شاہ صاحب نے مقامات مظہری میں آخر وقت کے حالات میں اس طرح تحریر فرمایا ہے کہ گولی کا نشانہ لگنے کے بعد برابر ضعف بڑھتا گیا حتیٰ کہ آواز تک سُنائی نہ دیتی تھی۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ تیسرے دن جمعہ کے روز صبح کی نماز کے بعد مجھ سے کہا کہ میری (۱۱) گیارہ نمازیں قضاء ہو چکی ہیں لیکن کیا کروں میرا سارا جسم خون آلودہ ہو رہا ہے اور مجھ میں سر اُٹھانے کی بھی طاقت نہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر مریض سر بھی نہیں اٹھا سکتا تو اسے نماز موقوف کر دینی چاہیئے۔ اشارہ سے نماز نہ پڑھے تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟ میں نے عرض کیا کہ مسئلہ وہی ہے جو کہ آپ نے فرمایا۔ آدھا دن گزر جانے کے بعد اُنھوں نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور کچھ دیر فاتحہ پڑھی۔ عصر کے وقت میں پھر خدمت میں حاضر تھا۔ پوچھا کہ ابھی کتنا دن باقی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ چار گھڑی۔ فرمایا ابھی مغرب میں دیر ہے۔ مغرب کی نماز کے وقت شب شنبہ ۱۰ محرم الحرام تین بار زور زور سے سانس لیا اور روح مبارک جسد عنصری سے پرواز کر گئی۔ اِنّا لِلّٰہ واِنّا اِلیہِ رَاجِعُون۔

آپ کی خانقاہ خانقاہ مظہریہ کے نام سے مشہور چلی آرہی ہے لیکن اب اس خانقاہ کا نام حضرت دادا صاحب حضرت مولانا شاہ ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کے نام نامی واسم گرامی کے ساتھ درگاہ شاہ ابوالخیر کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مقام اب محلہ چتلی قبر کہلاتا ہے۔ آپ کا مزار پُر انوار اسی خانقاہ کے وسط میں واقع ہے۔ آپ کے مزار پر پتھر کی جالیوں کی عمدہ چہار دیواری ہے۔ اس چہار دیواری کے اندر اب چار مزارات موجود ہیں۔ نمبر (۱) مزار پر انوار حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں، دوسرا مزار آپ کے مرید رشید حضرت سید شاہ غلام علی شاہ صاحب کا اور تیسرا مزار حضرت شاہ ابوسعید شاہ صاحب کا اور چوتھا مزار حضرت دادا صاحب مولانا شاہ ابوالخیر شاہ صاحب کا ہے۔ چاروں مزارات پر انوار الٰہی کی بارش ہو رہی ہیں یہاں

پہونچنے پر پتہ چلتا ہے کہ گویا جنت میں پہنچ گئے ہیں۔ عجب طرح کے فیوض و برکات ہیں جو کہ بیان میں لانا جوئے شیر سے کم نہیں ہے۔ ان مزارات پر سجّادگی کا حق میرے آقا حضرت مولانا شاہ زید ابوالحسن شاہ صاحب فاروقی فرمارہے ہیں۔ آپ کی ذات گرامی اور قدوم میمنت لزوم کی برکات سے خانقاہ کی رونق اور شان میں چار چاند لگے ہوتے ہیں۔ دنیا زمانہ کے زائرین اور خود اپنے اہلِ سلسلہ زیارت کے لئے آتے ہیں اور فیوض و برکات سے اپنے دامان تہی کو بھر بھر کر لے جاتے ہیں۔ زہے نصیب وہ جو کہ عقیدت مندانہ تصورات لے کر یہاں حاضر ہوتے ہیں۔ ہر سال ۱۲ ربیع الاول یعنی ۱۱ اور ۱۲ تاریخ ربیع الاول کی درمیانی شب میں اسی خانقاہ شریف میں حضرت دادا صاحب کے زمانہ سے برابر محفل میلاد شریف منعقد ہوتی ہے روشنی اور مزارات پر گلہائے رنگارنگ سے خانقاہ جنت نشان معلوم ہونے لگتی ہے یہی وہ جگہ ہے جہاں ہمارے آقا حضرت مرزا مظہر جان جاناں استراحت فرما ہیں۔ اور آپ کے مزار شریف کے دروازے پر آپ کا یہ شعر کندہ کرا کے لگا یا گیا ہے۔

بہ لوحِ تربتِ من یافتند از غیب تحریرے　　کہ این مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیرے

بیان کیا جاتا ہے کہ مرزا صاحب کی وفات کے بعد ان کے بعض دوستوں نے آپ کا دیوان بطور فال کھولا اور خیال کیا کہ اوّل اوّل جو شعر نکلے اسی کو ان کے مزار شریف پر کندہ کرایا جائے تو مذکورہ بالا شعر ہی سرِ ورق پر برآمد ہوا۔ جیسا کہ مصحفی نے تحریر کیا ہے۔

"ہر گاہ بعد فوتش یکے از نیاز مندان اُو در دیوانش فال کشود ایں بیت برآمد"[۱]۔

جناب قمر الدین صاحب منّت نے آپ کی وفات پر تاریخ کہی۔

ہست حدیثے از پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم　　عاش حمیداً مات شہیداً
۱۱۹۵ھ

---

[۱] عقد ثریا۔

مرزا رفیع السودا نے بھی آپ کی وفات پر تاریخ کہی ہے۔

مظہر کا ہوا جو قاتل اک مرتدِ شوم — اور اُن کی ہوئی خبر شہادت کی عموم
تاریخ وفات ان کی کہی بارو کے درد — سودا نے کہ ہائے جانِ جاناں مظلوم
۱۱۹۵ھ

مصحفی نے اظہارِ غم کرتے ہوئے تاریخِ وفات حسب ذیل نظم میں بیان فرمائی ہے۔

شبِ ہفتم ماہِ عاشور بود آن — کہ از خون شدش سر زمین کربلائی
دراں رنگ ہم می چکد از زبانِ او — زہر قطرۂ خونِ دلِ میرزائی
کسی از سلف ہم نہ بگذشتہ باشد — باین بے دماغی باین کبریائی
غرض در شبِ قتلِ شاہ شہیداں — کہ جُست از قفس مرغ روحش رہائی
مریدانش در حلقۂ غم نشستند — ز پیراں بر آمد خروشِ جدائی
بہ مرگش چُنیں ہو کشادند حوراں — شُد از دیدۂ قدسیاں روشنائی
چو بشنید این واقعہ مصحفی ہم — غمی خورد باوصف دیر آشنائی
فرو رفت در فکر تاریخ سالش — کہ تا سامعاں را کند غم زدائی

پس از ساعتے سر ز جیبِ تامل
بر آوردہ گفت آہ مظہر کجائی
۱۱۹۵ھ

قاضی صاحب ثناء اللہ پانی پتی نے بھی آپ کی وفات پر تاریخ کہی ہے۔ اُولٰئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ اور قاضی صاحب کی ہی دوسری تاریخ بھی ہے۔

آن قبلۂ ارباب تقیٰ عاشَ حمیداً — و آن قدوۂ اصحاب رضا ماتَ شہیداً
مجموعۂ ہر دو صفت ست سالِ وفاتش — مظہر رضی اللہ کان سعیداً
عاشَ حمیداً ماتَ شہیداً
۱۱۹۵ھ

(حاشیہ صفحہ نمبر پر)

لہذا تاریخ وفات میں اختلاف کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے (۱۰) سبھی اعزا ء و احباب و اقربا ۱۱۹۵ھ پر ہی متفق ہیں جیسا کہ تاریخہائے وفات مذکورہ سے واضح ہے۔

نجف خاں نماندہ و نجف خانیش — نہ افراسیاب و نہ ہمہ اندیشش[۱]
نہ لشکر بماند نہ مرزا شفیع — شود حاکم نو بفضلِ ربیع

بعض لوگوں نے ان ابیات کو مرزا صاحب کی طرف نسبت کیا ہے لیکن صاحب معمولات مظہری نے شک ظاہر کیا ہے واللہ اعلم بالصّواب۔ واقعات اور حالات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نواب نجف خاں شیعہ تھا اور حضرت کا قاتل بھی شیعہ تھا بعض قرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس میں نواب نجف خاں کا ہاتھ تھا۔ جیسا کہ واقعہ ذیل سے روشنی پڑتی ہے۔ کہتے ہیں نواب ضابطہ خاں پسر نواب نجیب الدولہ ایک دن بیمار نجف خاں کی عیادت کے لئے گیا۔ دیکھا کہ نواب بیحواس بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے کہا کہ نواب صاحب اطمینان رکھئے اللہ تعالیٰ جلد آپ کو شفاء دینگے۔ نواب نجف خاں نے جواب میں بتلایا کہ آج کی رات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا ہے جب سلام کیا تو روئے مبارک دوسری طرف پھیر لیا۔ دوبارہ اُس طرف جاکر سلام کیا پھر مُنہ پھیر لیا اور فرمایا کہ اے میرزا نجف خاں ہنوز زندہ ہے جو ایک بارنگاہ کی تو دیکھا کہ حضرت کی پشت پر مبارک پر مرزا جان جاناں کھڑے ہیں۔ اس وقت سے میں اپنی عمر کا پیمانہ لب ریز اور جام حیات درد آمیز پاتا ہوں یعنی اب رشتہ امید زندگانی منقطع ہے اس وقت سے ہرگز زندگی کی توقع نہیں رہی ہے۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ حضرت کے دوستوں میں سے ایک صادق و راست باز دوست نے خواب دیکھا اور اپنا خواب حضرت مولوی نعیم اللہ صاحب سے بیان

(حاشیہ صفحہ نمبر کا) معمولات مظہری صفحہ ۱۴۶ از مولوی سید نعیم اللہ بہرائچی۔

[۱] معمولات مظہری صفحہ ۱۴۲ از مولوی سید نعیم اللہ بہرائچی۔

کیا کہ رات کو حضرت مرزا جانِ جاناں کو معاملہ میں دیکھا کہ دہلی کے تمام بزرگان عظام کے ساتھ ایک عالیشان مکان میں بیٹھے ہوئے ہیں اور نواب نجف خاں حضرت کے سامنے کھڑا ہے۔ حضرت نے ایک بھاری زنجیر اس کے گلے میں ڈال کر مجھ کو بُلایا اور فرمایا کہ پکڑو یہ زنجیر اور پورے زور کے ساتھ کھینچو۔ جب آپ کے مبارک ہاتھوں سے زنجیر پکڑ کر پوری قوت سے اس کو کھینچا کہ وہ ہلاک ہو گیا۔ صبح کو یہ معاملہ ایک تاجر کے سامنے ذکر کیا گیا کہ جس کا روپیہ نواب مذکور کی سرکار پر تھا۔ اس نے فوراً اپنا روپیہ وصول کر لیا کہ صبح کو نواب کے انتقال کی خبر مشہور ہو گئی۔ وہ تاجر میرے پاس آیا اور شکر یہ ادا کیا کہ اتنا مبلغ نواب کی سرکار میں خطرہ میں تھا۔ آپ کے پاک انفاس کی برکت سے وصولیابی کی نوبت آگئی۔ اِن واقعات اور حقائق سے پوری طرح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کے قتل کروانے کی سازش نواب نجف خاں کی سازش تھی اور اسی نے بذریعہ ایک شیعہ آپ کو گولی کا نشانہ بنوایا۔ حضرت سید شاہ غلام علی صاحب مرید رشید حضرت میرزا صاحب کی شہادت کے زمانے میں دہلی میں موجود تھے۔ ان کو حضرت کی شہادت کے واقعات کی حقیقت پوری طرح سے معلوم تھی۔ حضرت نے بھی اپنی کتاب مقاماتِ مظہری میں نجف خاں کو حضرت کی شہادت کا مرتکب قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں " نجف خاںؔ کہ برفقائے او مرتکب ایں امر شدہ بودند و وے در اجرائے حد تغافل کرد عنقریب مرد اتباع او باہم مجادلات نمودہ رخت حیات بربستند۔ نشانے از اں ظالماں پیدا نیست اگرچہ حضرت خون خود ہدر نمودند اما غیرت الٰہی بر دوستانِ خود دار و در انتقام مظلومان و دادرسی ملہوفان است "۔ فرد۔

ہیچ قومے راخدا رسوا نہ کرد تادلِ صاحب دلے نامد بدرد

ترجمہ شعر۔ کسی قوم کو خدا رسوا نہیں کرتا جب تک کہ صاحبِ دل بزرگ کا

ے۵ مقامات مظہری صفحہ ۷۲ ۔

دل رنجیدہ نہیں ہوتا ہے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیا وجہ تھی کہ نجف خاں حضرت کی شہادت کا مرتکب ہوا اس سوال کا جواب حاصل کرنے کے لئے میں سلسلہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ حضرت مولانا وکیل احمد صاحب سکندرپوری مصنف ہدیہ مجددیہ[1] کی مندرجہ ذیل عبارت پیش کرتا ہوں۔

چوں درآں ایام در دہلی سلطنت اسلامی رو بزوال آوردہ بود و فرقۂ شیعہ غلوئے تمام پیدا کردہ بود۔ بعضے کسان ازیں طائفہ بر قتل حضرت میرزا و مولانا فخر الدین چشتی و شاہ ولی اللہ صاحب محدث و میر درد کہ درآں وقت ہمیں چہار تن از مشاہیر علماء و عرفا بودند کمر جہد بربستند۔ چوں حضرت میرزا فقیر بودند کہ قتل حضرت ایشاں آسان تر بود این گروہِ ناحق شدہ بشب ہفتم محرم بخدمت حضرت ایشاں رسیدہ قرابین سر کردند۔ غلولہ بر سینہ رسیدہ ازیں زخم کاری بہ نہم محرم بروز جمعہ ۱۱۹۵ھ شربت شہادت چشیدند۔ در عالم اضطراب ایں شعر خود بر زبانش بود ؎

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن | خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

آپ کا کہنا ہے کہ اس زمانہ میں سلطنت اسلامی زوال پذیر ہو چکی تھی۔ اور فرقۂ شیعہ کو عروج واقتدار حاصل تھا۔ ان شیعوں کے گروہ کے بعض لوگ حضرت میرزا و مولانا فخر الدین چشتی و شاہ ولی اللہ و میر درد کو قتل کرنے پر آمادہ تھے۔ چونکہ حضرت میرزا صاحب فقیر آدمی تھے۔ اس لئے ان کا قتل کرنا آسان تر تھا۔ لہٰذا ۷ محرم کو اس گروہِ ناحق کے ایک آدمی نے آپ پر طمنچہ کی گولی چلادی اور نہم محرم کی شب میں بروز جمعہ ۱۱۹۵ھ شربتِ شہادت نوش فرما لیا۔ مذکورہ واقعات سے یہ بات اور روشنی میں آتی ہے کہ صرف نجف خاں ہی ان بزرگوں کے قتل پر آمادہ نہیں

---

[1] ہدیہ مجددیہ مصنفہ حضرت مولوی وکیل احمد نقشبندی مجددی ۱۳۱۲ھ مطبع مجتبائی دہلی۔

تھا بلکہ ان کا ایک گروہ تھا اور چونکہ نجف خاں برسرِ حکومت تھا اس کی سازش زیادہ تر کارگر ثابت ہوئی۔ کیونکہ بقول شاہ غلام علی شاہ صاحب اس نے ملزمان پر حد جاری کرنے میں تغافل کیا۔ تو دراصل یہ بزرگان اس پُر فساد و پُر فتن زمانے کے لوگوں سے اور بالخصوص اہلِ سنت کی بد اعمالیوں سے نالاں تھے اور چونکہ "صاف گوئی کا ازل سے ہے قرینہ اپنا" یہ حضرات حق گوئی سے باز نہیں رہتے تھے اور لوگ خواہ مانیں یا نہ مانیں یہ برابر ان کو بدعات سے بچنے اور اتباع رسولؐ پر چلنے کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ شاہ صاحب علی الاعلان تبلیغ فرماتے تھے اور حضرت مرزا صاحب ان کو اپنے مفید مشوروں سے امداد کرتے رہتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ لوگوں کو حسبِ ذیل الفاظ میں تلقین فرماتے ہیں۔ "تم اپنے رب کی عبادت سے خالی الذہن ہو چکے ہو اور تم اپنے فرضی بنائے ہوئے معبودوں پر قربانیاں چڑھاتے ہو۔ تم مدار اور سالار کا حج کرتے ہو۔ تم میں بعض لوگوں نے فال بازی اور ٹوٹکا اور گنڈے وغیرہ کا پیشہ اختیار کر رکھا ہے[1]"۔ امت مرحومہ کو مندرجہ ذیل ہدایات فرماتے ہیں۔

"تم نے ایسے بگڑے ہوئے رسومات اختیار کر لیے ہیں جن سے دین کی اصل صورت بگڑ گئی ہے۔ تم عاشورہ کے دن جھوٹی باتوں پر اکٹھا ہوتے ہو۔ اسی طرح شب برأت میں کھیل کود کرتے ہو اور مردوں کے لئے کھانا پکا کر کھلانے کو اچھا خیال کرتے ہو۔ تقریبات کی دعوتوں میں تم نے حد سے زیادہ تکلف برتنا شروع کر دیا ہے۔ رسموں میں تم اپنی دولت ضائع کرتے ہو۔ وقت برباد کرتے ہو اور جو صحت بخش روش تھی اسے چھوڑ بیٹھے ہو[2]"

اسی زمانے کی طرف حضرت میرزا صاحب بھی اشارہ فرماتے ہیں۔

"عمل بعزیمت نمودن و تقوی گزیدن دریں وقت سخت متعذر راست کہ معاملات

---

[1] تفہیمات الٰہیہ از شاہ ولی اللہ صفحہ ۹۳

[2] تفہیمات الٰہیہ از شاہ ولی اللہ صفحہ ۹۳

تباہ شدہ و عمل موافقِ شرع گویا موقوف گردید۔ اگر بر طبق روائت فقہ و ظاہر فتوی عمل نمودہ آید و از محدثات امور و بدعت اجتناب کردہ شود بسیار غنیمت است۔[1]

یہ حضرات بدعات سے بچنے اور سُنّت پر چلنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ اس زمانہ کی رسومات اور بدعات میں رسم تعزیہ غلبۂ شیعت کی وجہ سے سُنّیوں میں بھی زور پکڑ گئی تھی اور ان حضرات سے بعید تھا کہ وہ اس رسم اور بدعت شیعہ کے خلاف علمِ جہاد بلند نہ کرتے۔

بزرگان نقش بندیہ میں سنت کی پابندی اور بدعات سے پرہیز ہی ترقی کا زینہ ہے۔ اس لئے تعزیہ داری کے خلاف ہمارے بزرگان ہمیشہ منع فرماتے رہے اور اس کی برائی بیان فرماتے رہے۔ حضرت میرزا صاحب کے سلسلے کے بزرگ سائیں توکل شاہ صاحب انبالوی کے مرید اور خلیفہ حضرت مولانا سیّد سرفراز علی خدیو نے ماہ محرم پر خطبات تصنیف فرمائے ہیں وہ فرماتے ہیں۔

بدعتی ہیں جو بناتے تعزیہ — اور ادا کرتے ہیں سجدہ فاتحہ[2]
بدعتی ہے بیخ کَن اسلام کا — اور دوزخ کا کتا لا شبہ
خارجِ اسلام ہے گا بدعتی — ہے حدیثِ مصطفیٰ لاشک یہی
تعزیہ سے اور بد ہوتے ہیں کام — ہے برائی جملہ کا گویا امام
شرک و بدعت ہے ہویدا صاف صاف — جو نہیں ہوتا گنہ ہرگز معاف
بے حیائی کا ہے یہ درجہ بڑا — عورتیں کرتی ہیں زیارت اس کی جا
بے اجازت مرد کے جائے اگر — ہو وہ عورت بے نکاحی سربسر
زن کو بھیجے مرد وہ دیوث ہے — یہ بدولت تعزیہ حاصل ہوا
مرگ سے روتے ہو تم شبّیر کے — آ گئے بہکاوے میں بے پیر کے (شیطان)

۱۔ کلمات طیبات صفحہ ۷۰، صفحہ ۱

۲۔ خطبات خدیو قلمی صفحہ ۱

کیسے تم نے جانا وہ ہیں مر گئے — رونے کی تم کو وصیت کر گئے
حق تو کہتا ہے نہیں مرتے ہیں وہ — راہ میں اللہ کی لڑتے ہیں جو
رزق کھاتے ہیں خوشیاں کرتے بہم — اور نہیں ہے خوف ان کو نہ غم

پھر ہمارے جد و بزرگ حضرت میرزا صاحب جیسے اتباع سنت کے پابند بزرگ بالاخانے پر بیٹھے ہوں اور ان کے سامنے سے تعزیہ مہدی علَم شدے نکل رہے ہوں اور وہ کچھ نہ کہیں غیر ممکن ہے یہی وجہ ہے کہ ماہ محرم میں ایک روز حضرت اپنے بالاخانہ پر بیٹھے ہوئے تھے اور یہ خرافات ان کے سامنے سے نکلی تو حضرت نے اپنے مریدوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جس مقدمے کو بارہ سو برس ہو چکے ہوں ہر سال اسے تازہ کرنا کیا بدعت نہیں ہے۔ لکڑیوں کو سلام و تسلیم کرنا عقل کی خفت ہے۔ یہ بات ان لوگوں نے جو تعزیہ کے ساتھ تھے سُنی اور امام باڑوں میں اور محفلوں میں دو تین شب اس کا چرچا ہوتا رہا[۱]۔ قرینہ سے پتہ چلتا ہے کہ شیعہ لوگوں نے ضرور نجف خاں شیعہ سے اس امر کی شکایت کی ہو گی اور چونکہ نجف خاں آپ کی حق گوئی سے پریشان تھا اور علاوہ بریں چونکہ تعزیہ داری اور عزاداری ماہ محرم میں شیعوں کے یہاں نہایت دھوم دھام سے منائی جاتی ہے۔ اور یہ حضرات ان رسوم باطلہ کو دین داری ہی سمجھ کر کرتے ہیں۔ اور حضرت میرزا صاحب ان رسوم باطلہ اور بدعات شنیعہ کے سخت خلاف تھے۔ اسی لئے ۷ محرم کو نجف خاں نے مذہبی مخاصمت کی بنا پر اپنے آدمی بھیج کر حضرت کے قتل کی سازش کی۔ اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ حالانکہ ہمیشہ کے لئے زندیق ہو گیا۔ اس طرح کی مذہبی دُشمنی روافض حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی جہانگیر بادشاہ کے زمانے میں کر چکے تھے۔ جیسا کہ ان میں سے اکثر اشرار کی یہ عادت رہی ہے۔ اصل واقعہ اس طرح سے ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ اپنے اکثر واقعات اپنے پیر (حضرت خواجہ باقی باللہ

---

[۱] میرزا علی لطف - گلشن ہند صفحہ ۲۱۷

شاہ صاحب) کی خدمت میں تحریر فرمایا کرتے تھے تاکہ حالات کے متعلق صحت وسقم کا پتہ چلتا رہے - چنانچہ آداب پیری و مریدی میں سے ہے کہ مرید ہر واقعہ وحال جو کہ اس پر ظاہر ہو واجب ہے کہ اپنے شیخ پر ظاہر کرے - تاکہ اس کی صحت سے مطلع ہوسکے اور اگر ایسا نہیں کرتا ہے تو ایسے مرید کو مرید خائن کہا جاتا ہے - اور وہ ترقی سے رُک جاتا ہے - لہذا ایک وقت میں ہمارے حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کو عروج حاصل ہوا - اس عروج میں آنحضرت نے مقام اولیا اور اصحاب سے گزرتے ہوئے - حضرت رسول اللہؐ کی خدمت میں پہونچ کر اپنی مراد کو حاصل کیا - لہذا اپنے ان احوال اور عروج کو اپنے مرشد خواجہ باقی باللہ شاہ صاحب کی خدمت میں وصلی کے لیئے تحریر کیا تھا - اتفاق سے یہ مکتوب روافض کے ہاتھ پڑ گیا اور اس زمانہ میں وزیر اور خادمان بادشاہ زیادہ تر روافض تھے - آپ کے اس عروج پر انگشت نمائی کی اور شہرت دی کہ فلاں شیخ خود کو حضرت ابو بکر صدیقؓ سے بہتر کہتا ہے - وزیروں نے اپنی مصلحت پوری کرنے کے لئے عین اس حالت میں کہ جب بادشاہ نشہ میں مست وغافل ہو رہا تھا اس واقعہ کو بادشاہ سے عرض کیا - انھوں نے کہا کہ آپ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ افضل الاولیاء ہیں مگر اس وقت شیخ احمد سرہندی نے خود کو حضرت ابو بکر صدیق سے افضل لکھا ہے - اس بات سے بادشاہ نے غصہ ہو کر اس واقعہ کی تحقیق کے واسطے آپ کو سرہند سے دلی طلب کیا اور اپنے حضور میں حضرت سے یہ واقعہ دریافت کیا - حضرت نے دیکھا کہ بادشاہ نشے میں چور ہے اور بات کی حقیقت و دقیقت کو نہیں سمجھتا ہے لہذا حضرت نے نہایت سادہ اور عام لوگوں کی سمجھ میں آنے والا جواب دیا - کہ میں خود کو کُتّے سے بھی افضل نہیں سمجھتا ہوں - کس طرح حضرت صدیق اکبر سے اپنے کو افضل کہہ سکتا ہوں - لیکن جس وقت حال وعروج وارد ہوا تھا اپنے پیر مرشد کو خفیہ تحریر کیا تھا تاکہ اس کے متعلق صحت، وسقم سے واقفیت حاصل ہو - مگر دشمنوں نے ناسمجھی سے حضرت بادشاہ کی خدمت میں عرض کر دیا ہے اس کے

جوابات تو بہت سے ہیں مگر آسان تر جواب یہ ہے کہ بادشاہ نے مجھ کو بعد پچاس سال کے آج یاد کر کے اپنے حضور میں طلب فرمایا ہے۔ امیروں اور شاہزادوں کے مقامات سے گزرتا ہوا یہ آپ کے قریب کھڑا ہوا ہوں۔ یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میں پنج ہزاری اور وہ ہزاری سے افضل ہوں۔ میرا مکان وہی خانۂ کہنہ ہے جو کہ سرہند میں مشہور رہے۔ ایک مدت کے بعد مجھ کو بادشاہ کے حضور میں پہونچایا ہے اور امرار کے مقام سے گزار کر آپ کا مقرب بنا دیا ہے اور ابھی یہاں سے واپس اپنے مکان کو چلا جاؤں گا اور تمام عمر اپنے اصلی مکان میں رہوں گا۔ آپ کے وزیر ہمیشہ آپ کے مقرب رہیں گے اور میری مثال یہ ہے کہ تمام عمر میں ایک بار ضرورت سے آیا اور چلا گیا۔ اسی طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام ہمیشہ آنحضرت کے مقرب ہیں۔ طالبوں کی طرح تمام عمر میں ایک بار حضوری میں پہونچا اور اپنی حاجت پوری کر کے جلدی واپس ہو گیا اور اپنے اصلی مقام پر پڑا ہوا ہوں۔ جب تک زندہ ہوں۔ اس جواب سے بادشاہ خوش ہوا اور حضرت کو نہایت اعزاز واکرام سے رخصت کیا۔[1]"

مذکورہ واقعہ اس امر کا شاہد ہے کہ اشرارِ روافض اُمرار و وُزرار نے کوشش یہ کی تھی کہ بادشاہ نشے کی حالت میں غصے میں آکر حضرت کو جان سے مروا دے گا۔ مگر ہوتا وہی ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔ خیر مطلب یہ ہے کہ روافض کو اہل سنت اور آلِ رسول سے ہمیشہ عناد رہا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں سے اُس وقت کے روافض و نجف خاں رافضی دینی عناد رکھتے تھے۔ محرم کے موقع پر ان کو تعزیوں کی بُرائی سننے کا موقع مل گیا اور مذہبی عناد کی بنا پر آپ کو شہید کیا گیا۔ اسی بات کی طرف اشارہ جناب مولانا وکیل احمد صاحب نقش بندی سکندر پوری نے بھی کیا ہے کہ "سلطنت اسلامی رو بزوال بود

---

[1] ہدیہ مجددیہ صفحہ ۳۳۴

وفرقہ شیعہ غلوے تمام پیدا کردہ بود بعضے کسان ازیں طائفہ برقتل حضرت میرزا و مولانا فخرالدین چشتی و شاہ ولی اللہ محدث دہلوی و میر درد کہ در آں وقت ہمیں چہار تن از مشاہیر علماء و عرفا بودند[1]" گویا ان حضرات کے علم و عرفان کی وجہ سے وہ لوگ ان حضرات کی جان کے پیاسے تھے۔ معلوم ہوا کہ حضرت میرزا صاحب کی شہادت کی بنیاد ان کا مذہب، ایمان، ایقان اور متبع سنّتِ رسول اللہؐ ہونا تھا۔

عبدالرزاق صاحب قریشی نے بھی لکھا ہے کہ "نجف خاں کا دہلی آنا تھا کہ شیعت نے بے انتہا زور پکڑا اور سنیوں پر ہر قسم کے مظالم ڈھائے جانے لگے چنانچہ میرزا صاحب ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ

"حالِ مردم ایں شہر از روزیکہ نجف خاں آمدہ
است از شاہ تا گدا تباہ است و ذکر خلاص
مجدوالدولہ بر زبان خاص و عام است
خدائے تعالیٰ زود بظہور آرد[2]"۔

اسی نجف خاں نے شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین کو دہلی سے نکل جانے کا حکم دیا تھا۔

ان تمام شواہد سے یہ بات واضح تر ہو جاتی ہے کہ وہ محض مذہبی عناد کی وجہ سے حضرت کی شہادت کا مرتکب ہوا۔ ان حقائق کے باوجود قریشی صاحب حضرت کی شہادت کو سیاسی واقعہ بتلاتے ہیں۔ اور مثال میں حضرت کے مذکورہ خط کی عبارت پیش کرتے ہیں کہ اس شہر کے لوگوں کا حال جب سے نجف خان آیا ہے بادشاہ سے گدا تک کا تباہ ہے۔ اس میں حضرت میرزا صاحب کی کیا سیاست تھی۔ حقائق اور واقعات کا منظر عام پر لانا کونسی سیاست ہے۔ خدا سے ڈرنے

---

[1] ہدیہ مجددیہ صفحہ ۳۳۴۔

[2] کلمات طیبات مکتوب ۳۴ صفحہ ۴۶

والے بزرگ کسی ظالم کے ظلم کو بیان کرنے سے نہیں ڈرتے ہیں۔ پھر اس زمانے میں نجف خاں کی سُنّی دشمنی اور مظالمِ عام کی شہرت تھی اگر حضرت نے اپنے خط میں بیان کر دیا تو کون سی عجیب بات ہوگئی۔ آزاد[1] نے فولاد خاں کو قاتلِ مرزا پتہ نہیں کس غلط فہمی سے بتلایا ہے۔ جب کہ ہمارے حضرت سید شاہ غلام علی اور مولوی سید نعیم اللہ صاحب سب نے حضرت کا قاتل ایک بدبخت شیعہ کو بتلایا ہے۔ اور یہی حقیقت ہے۔ آپ نے اپنی تحریروں میں کہیں بھی سیاست کی طرف اشارہ نہیں فرمایا ہے۔ مثلاً میرٹھی کہتے ہیں۔

"در دورۂ نواب نجف خاں بہ سبب اختلاف
مذہب از دست شخصے شیعہ بضرب طمانچہ
رتبۂ شہادت یافت[2]"

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں کے مرید رُہیلے زیادہ تر تھے۔ اس لئے عبد الرزاق قریشی اور خلیق صاحب کو گمان ہے کہ روہیلوں کی طاقت کو ختم کرنے کے لئے سیاسی بنیاد پر نجف خاں نے حضرت میرزا صاحب کو قتل کرایا۔ مگر یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی ہے کیونکہ نہ تو حضرت کے مکتوبات سے ثابت ہوتی ہے اور نہ بعد کے بزرگوں نے یہ بات تحریر کی ہے کہ محض سیاسی اغراض کی بناء پر آپ کو شہید کیا گیا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ حوالہ جات میں واضح کر دیا گیا ہے۔ چونکہ نجف خاں صاحبِ حکومت تھا اور اُس کی سازش سے آپ کو شہید کیا گیا ہے اسی لئے ان لوگوں کو دھوکہ ہوا ہے کہ حضرت کی شہادت میں سیاسی اغراض شامل تھے۔ خود حضرت میرزا صاحب کو سیاست سے کوئی غرض و واسطہ نہ تھا البتہ آپ کے عزیز و اقارب و مریدین و معتقدین نوابین کے خطوط کا جواب دینا اُن کے معاملات میں ان کو بزرگانہ مشورہ

---

[1] آب حیات صفحہ ۱۴۴۔

[2] مبتلا میرٹھی طیبات سخن (قلمی) بحوالہ ڈاکٹر محمد حسن۔

دینا محض اللہ کے واسطے تھا۔ آپ امراء کے نذرانے اور دعوتیں تک قبول نہیں فرماتے تھے۔ پھر آپ کو سیاست سے کیا مطلب تھا۔ چونکہ نجف خاں صاحب حکومت تھا اور اس کے ذریعہ سے آپ شہید ہوتے اسی لئے لوگوں نے آپ کی شہادت کو سیاسی واقعہ بتلایا ہے۔

(الف) مرزا صاحب اور سلطنت مغلیہ کا آخری دور

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کا عہد ہندوستان کی تاریخ میں سیاسی اور معاشرتی لحاظ سے ایک بہت ہی پر آشوب اور پر فتن عہد تھا یہ دور مغل حکومت کے زوال وانحطاط کا زمانہ تھا۔ بابر جیسے شیر دل تیموری نسل کے چشم و چراغ نے کس جانفشانی اور شیرانہ دلیری سے مغل حکومت کی بنیاد کو قائم کیا۔ ہمایوں نے باوجود پریشانیوں کے مغلوں کی آن بان کو قائم رکھا اکبر نے ایک ایسی مستحکم اور منظم حکومت قائم کی کہ اکبر اعظم کے نام سے مشہور رہا اور اس کے دشمن برابر اس کا لوہا مانتے رہے جہانگیر نے باوجود شراب نوشی کے مغلوں کے کرّوفر کو قائم رکھتے ہوئے عدلِ جہانگیری کی مثال دنیا کے لئے چھوڑی۔ شاہ جہان نے مغلوں کی شان کو اور اونچا کیا وہ ایسا خوش نصیب بادشاہ ہوا کہ اس کا عہد تاریخ میں عہد زرّیں کے نام سے مشہور رہا۔ اس نے ایسی عمارات اور مقبرے بنوائے کہ جن کی مثال ساری دنیا میں نہیں ملتی ہے۔ عالم گیر جو کہ محی الدّین اورنگ زیب عالم گیر کے نام سے مشہور ہوئے اُن کے انتظام اور خوش اسلوبی سے سلطنت میں دین و دنیا دونوں کو ترقی حاصل ہوئی۔ دین و دنیا دونوں کے دشمن اس عظیم الشان بادشاہ کی ہیبت سے تھرّاتے تھے۔ ایسی مضبوط بنیادوں پر قائم حکومت عالم گیر کے بعد

سے روبزوال ہوگئی ۔ اولوالعزم اور حوصلہ مند تیموری خاندان میں ان کی اولاد عیش پرست اور نااہل ہوگئی ۔ ترقی تنزلی میں مبدّل ہوگئی ۔ انتظام بدانتظامی میں تبدیل ہوگیا ۔ بادشاہ اور حکمران نااہل و ناکارہ ہوگئے ۔ عیاشی و مے نوشی ان کی گھٹّی میں پڑگئی اور نگ زیب کے بعد ان کی اولاد میں حکومت کے لئے خانہ جنگی ہی نہیں بلکہ خانہ بربادی شروع ہوگئی ۔ اس کے حالات بد سے بدتر ہوتے گئے ۔ جہاندار شاہ کا زمانہ نہایت عیش پرستی اور مدہوشی کا زمانہ گزرا ہے وہ ایک بازاری عورت لال کنور پر عاشق ہوگیا اور اس خرافات میں انتظامِ سلطنت اور جہانگیری بھول کر عیاشی و مے پرستی کا شکار ہوگیا ۔ محمد شاہ تو اتنا عیاش و عیش پرست ہوا ہے کہ اس نے اپنا نام محمد شاہ رنگیلے کے نام سے مشہور کرلیا ۔ ان ناکارہ بادشاہوں کی خودغرضیوں اور غفلتوں کے نتیجے میں ملک و رعایا میں تباہی و ابتری پیدا ہوگئی ۔ شہروں کے حالات خراب ہوگئے ۔ بالخصوص دلّی بری طرح سے برباد ہوگئی ۔ بدامنی اور پریشان حالی عام ہوگئی ۔ دُرّانی اور ابدالی کے حملوں اور غارتگریوں سے جان و مال، روزی دشوار ہوگئی ۔ مرہٹوں اور سکھوں نے غارت گری اور لوٹ مار میں کوئی کمی نہ چھوڑی ۔

یہی وہ زمانہ تھا جب کہ مرزا مظہر جان جاناں نے ہوش سنبھالا ۔ انھوں نے دیکھا کہ مستحکم سلطنت مغلیہ کا شیرازہ بکھر گیا ہے ۔ بہادر اور شیر دل بادشاہوں کی اولاد ناکارہ اور بدانتظام، عیش پرست و عیاش ہوگئی ہے ۔ حضرت مرزا صاحب کے عہد زندگی سے جس بادشاہ کا تعلق ہے وہ شاہ عالم ثانی آخری بادشاہ ہے ۔ یہ بادشاہ علم دان سنجیدہ اور تجربہ کار تھا لیکن حالات اتنے خراب ہوچکے تھے کہ ڈوبتی ہوئی کشتی کو کنارے پر لانا اس کے قابو سے باہر ہوگیا باہر کے دشمن مرہٹے اور سکھ و انگریز تو تھے ہی خود اس کا وزیر عماد الملک اس کا جانی دشمن تھا ۔ غریب بادشاہ چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغے میں گھرا ہوا تھا ۔ حضرت میرزا صاحب نے ایک مکتوب میں ان فتنوں اور فسادوں کی طرف اشارہ

کیا ہے۔ کلمات طیّبات مکتوب ۴۵ بنام پیر علی میں ہے " از ہر طرف فتنہ قصد دہلی می کند " ایک اور مکتوب میں مولوی ثناء اللہ سنبھلی کو تحریر فرماتے ہیں۔

" کفار مرہٹوں کے ہنگاموں سے مت ڈرئیے
انشاء اللہ دوستوں کو نقصان نہیں پہنچے گا۔ ان
مصیبتوں کو دور کرنے کے لئے جتنی دفعہ
سورہ لایلاف پڑھ سکتے ہو پڑھتے رہو اور
کفار کے لشکر پر اسلام کی فتح کے لئے دعاء
اور صرف ہمت واجب ہے "
(مکتوب ۲۸ از کلمات طیّبات)

ایک چالیسویں مکتوب میں کلمۂ طیبات میں فرماتے ہیں ——

" کیونکہ دہلی میں روز روز کی پریشانیوں
سے تنگ آگیا ہوں "۔

اسی زمانے کے حالات کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

مکتوب بنام نواب ارشاد علی خاں سنبھلی

" اس نے (اللہ) نے تم کو مصیبتوں سے بچالیا۔
تم نے موجودہ بادشاہ سے جو توسّل کیا ہے
اس کا انجام اچھا نہیں ہے۔ ان دنیاداروں
کا مفصّل حال ہم گوربا طنوں کو کیسے معلوم
ہو اور اگر معلوم ہو تو اس کا لکھنا موجب
فساد ہے اتنا بھی کبھی تمہاری خاطر
لکھ دیتا ہوں "۔

ایک اور مکتوب نمبر ۴۴ میں بنام مولوی قطب شاہجہانپوری کو تحریر فرماتے ہیں۔

"خدا کا شکر ہے اور قوی امید ہے کہ خدا نے ہمارے تمام دوستوں اور اس شہر کے لوگوں کو مصیبت سے محفوظ رکھا۔ سورۂ لایلاف کی تلاوت صبح اور شام کیا کریں۔ اس علاقے پر مرہٹوں کے قبضے، قوم روہیلہ کا فرار اور قصبات و دیہات کے تاخت و تاراج ہونے کے متعلق کیا لکھوں اس کی تفصیل عزیزوں کے خطوط سے معلوم ہوگی خدا کا شکر ہے کہ خانصاحب کے متعلقین اس مصیبت سے نجات پاکر یہاں پہنچ گئے۔"

مکتوب نمبر ۵۰ میں بنام ملا محمد یار کو تحریر فرماتے ہیں۔

"باعثِ تحریر یہ ہے کہ کافران سکھ (خدا انہیں ذلیل کرے) کے ظلم و ستم سے سرہند کا متبرک شہر ویران ہوگیا ہے اور بزرگان کے مزارات شہید ہوگئے ہیں۔ اور صاحب زادے شہر شہر آوارہ پھر رہے ہیں۔ ایک جماعت نے اس طرف کا قصد کیا ہے خاص طور پر حضرت میر اسد اللہ صاحب کہ جو فقیر سے بہت خصوصیت رکھتے ہیں تشریف لا رہے ہیں۔ اگرچہ اس شہر اور اہلِ شہر کا حال مخفی نہیں ہے۔ لیکن اس ضرورت سے لکھ رہا ہوں کہ اہلِ طریقہ کو ہاتھ اور زبان کے مقدور کے مطابق کوئی کسر نہیں چھوڑنی چاہیئے خاص طور ایسے وقت میں جب کہ ان بزرگوں کو غارت گری

اور جلاوطنی کا صدمہ پہنچا ہے۔ والسّلام“

مکتوب ۱۷ بنام صاحب غلام عسکری خاں محمّدی میں تحریر فرماتے ہیں۔

ترجمہ۔ شاہ ابدالی نے پشاور میں قیام کیا ہے اور اپنے بڑے لڑکے تیمور مرزا کو بہت بڑی فوج کے ساتھ ممالک خراساں کے بندوبست کو رخصت کیا ہے۔ پنجاب اور ملتان دونوں ممالک میں آج کل نظم ونسق نہیں ہے۔ (ابدالی) کو ان کی اصلاح کا خیال ہے اور امکان غالب یہ ہے کہ اس کام کو اپنی فوجوں کے ذریعہ کرے۔ اور اگر اس کی ضرورت پڑی کہ اگر وہ خود سفر کرے تو وہ لاہور اور ملتان تک پہنچ جائے گا۔ آخر اس کا ملک ہے وہ ہندوستان آنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اس نے جدید فوج فراہم نہیں کی۔ صرف قدیم فوج ساتھ ہے۔ اہلِ دہلی فرار کے عادی ہیں۔ بے اختیار ہو کر گھبرا جاتے ہیں۔ اور یہاں مزاحمت بہت ہے یہی مناسب ہے کہ یہ فتنہ لاہور سے دہلی کا قصد نہ کرے۔ ہماری اور تمہاری آبرو ایک ہی ہے لیکن بھاگ نہیں سکتے۔ ہم نے اس آئت پر عمل کیا ہے۔

”فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ“ (اللہ ہی کی طرف بھاگو) فی الحال متعلقین کو بھرت پور لے جانا اچھا ہے۔ لیکن آئندہ کے لئے ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ آخر میں یہ فتنہ اس علاقے میں جاتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ مجھ کو رسواد فقیر کو معتبر معتمدوں سے یہی معلوم ہوا ہے۔ ہم نواب کو خوب جانتے ہیں۔ پھر اس صورت میں شکوہ شکایت کیا۔ لوگ اپنی عقل کے مطابق بات سمجھتے ہیں کوئی ہمارے آثار دیکھ کر اندازہ لگاتا ہے کہ ہم نواب سے خوش ہیں اور کوئی بعض علامات سے گمان کرتا ہے۔ کہ ہم ناراض ہیں۔ حقیقت سے دونوں ہی غافل ہیں۔ فقیر تو آئینہ کی طرح ہے۔ جب نواب کسی بھی نیت سے اس طرف ملتفت ہوتا ہے۔ اس کا عکس اس آئینہ میں منعکس ہو جاتا ہے اور جب کبھی وہ منہ چھپاتا ہے خواہ کسی ضرورت اور عذر کی وجہ سے کیوں نہ ہو تو پھر اس آئینہ میں کوئی صورت نظر نہیں آتی اور لوگ تو گفتگو میں معذور ہیں۔ آپ اس میزان کو یاد رکھئے۔ انشاء اللہ اس کے بعد

ہماری ہر حرکت اسی میزان کے مطابق پائیں گے۔ اگر نواب ہمارا سلیقہ چاہتا ہے اور ہماری سلامت عقل پر بھروسہ کرتا ہے اور اچھی اور بری باتوں میں ہم سے صلاح لیتا ہے تو خلق اللہ کے لئے قوی توجہ اور مفید تدبیر کو ہم کام میں لائیں گے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ وہاں عقلمندوں اور شریف لوگوں کی بات کا گزر نہیں۔ خدا کا شکر ہے جو ہماری شان کے شایان نہیں تھا وہ ہم نے نہیں کیا یعنی امور ملکی اور مالی پر توجہ نہیں کی اتنا بھی اعزہ کی خاطر ہم نے ان کلمات سے اپنی زبان کو آلودہ کیا ہے۔ جس سے شرمندہ ہوں۔ والسلام۔

مکتوب ۸۶ بنام حکیم محمد فاروق۔

ترجمہ "بیماری عام اور نامی کی وجہ سے جو شہر کے لوگوں کا حال ہے۔ وہ کہاں تک لکھوں۔ خدا اس شہر سے اپنا غضب اٹھالے کیونکہ امور سلطنت میں کوئی نظم و نسق نہیں رہا ہے "خدا خیر کرے"۔

بہرصورت مکتوبات کا ترجمہ نقل کیا گیا تاکہ مرزا صاحب کے عہد میں سلطنتِ مغلیہ کا آخری دور کیا کیفیات رکھتا ہے کہ ملک میں فتنہ و فساد کے سوا اور کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ جان و مال عزت و آبرو روزی کسی چیز کا تحفظ نہیں تھا۔ دوسرے واقعات پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ آپ کا کشف کتنا زبردست تھا کہ کب کیا ہونے والا ہے اشاروں ہی اشاروں میں بتلا جاتے ہیں۔ اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ ناسمجھ لوگوں کو اعتماد نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ناقص عقل سے جو کچھ سوچتے ہیں۔ اس میں سوائے نقص کے اور کیا ہو سکتا ہے۔

سلطنت مغلیہ کے دورِ آخر میں جو زبوں حالی اور ابتری و ویرانی ملک و شہر میں پیدا ہو گئی تھی اس کو شہر آشوب کے طریقہ پر جناب مرزا رفیع السودا نے جو کہ مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے معاصرین میں سے ہیں خوب لکھا ہے۔

سخن جو شہر کی ویرانی کے کروں آغاز — تو اُس کو سُن کے کریں ہوش چند کے پرواز
نہیں وہ گھر نہیں جس میں شغال کی آواز — کوئی جو شام کو مسجد میں جائے بہرِ نماز
تو واں چراغ نہیں ہے بجز چراغِ غول

دیا بھی واں نہیں روشن تھی جس جگہ فانوس — پڑے ہیں کھنڈروں میں آئینہ خانہ کے ناموس
کروڑوں دل تھے پُر امید ہو گئے مایوس — گھروں سے یوں نُجبا کے نکل گئی ناموس
ملی نہ ڈولی انہیں جو تھے صاحب چنڈول

نجیب زادیوں کا ان دنوں ہے یہ معمول — وہ برقع سر پہ ہے جس کا کمر تلک ہے طول
ہے ان کی گود میں لڑکا گلاب کا سا پھول — اور ان کے حسن طلب کا ہر اک ہے یا اصول
کہ خاک پاک کی تسبیح ہے جو لیجئے مول

بہر صورت اس زمانے کی سیاسی ابتری اور عوام کی پریشانی وزبوں حالی کا احساس حضرت میرزا صاحب کو بہت زیادہ تھا جیسا کہ کلمات طیّبات کے مکتوبات کے ترجمے مذکورہ بیان میں پیش کئے گئے۔ اور ان مکتوبات کے نمبر دیدیے گئے ہیں۔ حضرت کے احساسات بجا ہیں کیونکہ آپ رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔

(ب) میرزا صاحب اور سلسلہ نقشبندیہ

صاحب معمولات مظہری ارشاد فرماتے ہیں کہ "سبحان اللہ من سَعِدَ سَعِدَ فِی بَطنِ اُمّہٖ" ترجمہ۔ خدا کی ذات پاک ہے۔ جو کوئی نیک بخت ہوتا ہے۔ اپنی ماں کے شکم میں ہی سعادت مند ہوتا ہے۔ "در شانِ ایں مظہر ازل و شمس انور اظہر وابہر است کہ از حالت صبا و شیر خوارگی انوارِ عشق حقیقی و آثار

کمال بزرگی از جبین مبینِ ایشان ہویدا بود چنانچہ در مظہر حسن وجمال جلوہ معشوق نظارہ می نمودند و در کنار خوبروئے برغبت تمام می رفتند و از کنارِ او جدا نمی شدند مگر بحیلہ[1]" اس مظہر ازل و شمس انور کی شان ظاہر و روشن ہے کہ آپ کی شیر خوارگی کے زمانہ سے ہی آپ کی جبین (پیشانی) مبارک سے انوارِ عشق حقیقی اور آثار بزرگی ظاہر و باہر تھے چنانچہ جلوۂ حسن وجمال میں جلوہ معشوق حقیقی کا نظّارہ فرماتے تھے اور خوبرو کی آغوش میں برغبت تمام چلے جاتے تھے اور گود سے جدا نہیں ہوتے تھے مگر کسی بہانہ وحیلہ سے جدا کئے جاتے تھے۔ سچ ہے ہونہار پودے کے پتّے ابتدا سے چکنے چکنے ہوتے ہیں۔ بچپن سے ہی آثار بزرگی آپ کی جبین مبارک سے ظاہر ہونے ہی لگے تھے اور خدا کی شان کہ آپ کے والد ماجد میرزا جان ایک عالم باعمل اور صوفیٔ صافی طریقۂ علیہ قادریہ میں حضرت شاہ عبدالرحمٰن قادری سے مقاماتِ سلوک کی منازل طے کئے ہوئے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ عفیفہ و پارسا و خداترس وخداپرست تھیں۔ آپ کی دادی اور دادا بھی بڑے بزرگ تھے آپ کے دادا صاحب باوجود منصب پادشاہی کے طریقۂ چشتیہ میں لوگوں کو مرید کرتے تھے ان کے سوار، پیادہ، خدمت گار اور سب ساتھی تہجد گزار و شب بیدار ہوتے تھے۔ آپ کی دادی صاحبہ صاحبہ کی باطنی صفائی اس قدر تھی کہ جمادات کی تسبیح سنتی تھیں۔ اور عورتوں کو مثنوی مولانائے روم کا درس دیتی تھیں۔ ایسے بزرگوں کی نسل وخون سے پیدا اور ایسے بزرگوں کی گود میں پلنے والے بچے کا کیا حال ہوگا۔ بچے کی سب سے پہلی درس گاہ آغوشِ مادر و پدر ہوتی ہے جس بچے نے طریقت و تصوف کی گود میں آنکھیں کھولی ہوں۔ اس کا کیا کہنا۔ گویا فقیری گھٹی میں پلائی گئی۔ آپ کے والد ماجد نے اپنے بچے کو ابتدا سے ہی عشق و محبت کی تلقین شروع کردی۔ جیسا کہ آپ کے

---

[1] معمولات مظہری صفحہ ۷۔

والد ماجد کے لطائفِ عجیب و غریب میں سے ہے۔

لطیفہ اول۔ "می فرمودند ائے میرزا صاحب ہر کہ دلش بداغِ عشق برشتہ نمی شود و خاشاکِ طبیعت او سوختہ و پاک نمی گردد و زمین طینت او صلاحیت تخم محبت الٰہی ندارد زیراکہ عشق مجازی زینۂ عشقِ حقیقی است پس مادامیکہ رشتۂ عشق مجازی طوق گلو کردہ در کوچہ و بازار رسوا و خوار نسازید روح فقیر از شما راضی نخواہد شد۔ امّا غیر از وسیلہ امرے دیگر دریں راہ منظور نہ باشد چوں بوسیلۂ ایں دولت راہے بمطلب کشادہ گردد جانبازی در راہ مولیٰ کہ پادشاہِ بادشاہانِ معشوقانِ اعلیٰ و ادنیٰ است اختیار باید نمود کہ سعادت جاودانی مربوط بآنست و ایں بیت آنحضرت مناسب ایں مقام است

بیت۔ "تن زار مرا الفت ز کلفت رستہ می سازد + کہ آتش مشتِ خارِ خشک را گلدستہ می سازد"

ترجمہ۔ فرماتے تھے کہ اے مرزا صاحب جو کوئی داغ عشق سے اپنے دل کو نہیں جلاتا ہے اس کی طبیعت کا کوڑا نہیں جلتا ہے اور طبیعت صاف نہیں ہوتی ہے اور اس کی زمینِ طینت میں تخم محبت الٰہی کے بونے کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے عشقِ مجازی زینۂ عشقِ حقیقی ہے پس جب تک کہ رشتۂ عشق مجازی کو گلے کا طوق بنا کر کوچہ و بازار میں خود کو رسوا اور خوار نہ کروگے۔ اس وقت تک فقیر کی روح تم سے خوش نہ ہوگی۔ لیکن اس وسیلہ سے دوسرا کام اس راہ میں منظور نہ ہو جب اس وسیلہ کی دولت سے راستہ کشادہ ہو جائے اللہ کے راستے میں جانبازی کرنی چاہیئے جو کہ بادشاہوں کا بادشاہ اور اعلیٰ و ادنیٰ کا معشوق ہے۔ جاننا چاہیئے کہ سعادتِ ابدی و جاودانی اسی طریقہ سے حاصل ہو سکتی ہے۔ حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں نے درج ذیل بیت اسی مقام کے حسب حال فرمائی ہے۔ میرے تن زار نے کلفت سے الفت کا راستہ پایا ہے۔ جیساکہ خشک کانٹوں کو آگ جلا کر سرخ انگاروں کا گلدستہ بنا دیتی ہے۔

لطیفہ دوم ۔ مُبفرمودند کہ آشنائی درحقیقت کیش وآئین مردانست چنانکہ ارباب این فن دریں باب کتب ورسائل تدوین نمودہ اند لیکن جزواعظم دریں باب جوشش وگرمی است یعنی ہرکس کہ گرمی ازو یافتہ نشود ترک اختلاط گیرند کہ خنکی ایں جاناپسندیدہ است زیراکہ علاقہ خاک وخون درمیان نیست کہ جوش خواہد کرد چنانچہ درقرابتست وچیزنکہ پسند خاطر آشنا آید باید کہ آں راخود نہ پسندد واگرچہ بطبیب خاطر مخیر گرداند واندک زلل وتقصیر آزردگی وشکستگی نکند زیراکہ نہالِ آشنائی بعد پرورش مدت دراز قابلیت ثمرۂ اقربیت پیدا می کند یکبار قطع آں ازمروّت بعید است“۔

”جدائی زاحباب کردن خطاست بریدن زیاراں خلاف وفاست “

ترجمہ ۔ فرمایا ہے کہ درحقیقت آشنائی مردوں کا طریقہ ودستور ہے جیسا کہ اس فن کے لوگوں نے معاملہ میں کتب رسائل اکھٹے کئے ہیں ۔ لیکن اس کا بڑا جزو اس معاملہ میں جوش وگرمی ہے ۔ یعنی وہ آدمی کہ جس سے گرمی نہ حاصل ہوتی ہو اس سے ترک ملاقات کریں کیونکہ اس جگہ خنکی ناپسندیدہ ہے ۔ گویا کہ علاقہ خاک وخون درمیان نہیں ہے کہ جوش کرے گا ۔ جیسا کہ قرابت میں ہے ۔ اور وہ چیز جو کہ آشنا ودوست کو پسند آئے چاہئے کہ اس کو خود کے لئے نہ پسند کرے خواہ بطبیب خاطر مخیر کریں ۔ ذراسی تقصیر پر آزردگی اور علیحدگی نہ کرے کیونکہ محبت وآشنائی کا پودا بعد مدت تک پرورش کے بڑا ہوتا ہے اور بعد مدت دراز کے اقربیت کا یہ پھل لانے کے قابل ہوتا ہے ۔ یکایک اس کو قطع کردینا مروت سے بعید ہے ۔ ترجمہ بیت ۔ دوستوں سے جدائی اختیار کرنا غلطی ہے ۔ دوستوں سے اپنے کو علیحدہ کرنا وفاداری کے خلاف ہے ۔

لطیفہ سوم ۔ مُبفرمودند چنانچہ مارا ازبرائے فہم معانی قرآن مجید وتدبّر دراحادیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ازمحاورات عرب وقوف واطلاع ضرورست ہمچنیں برائے فہم معانی مقصودہ ازمحاورات مردم ایں دیار دروقت ہم کلامی

نیر از وقوف تمام چارہ نیست تا در حضور عقلاء از عدم فہم معانی مقصودہ انفعال کشیدہ نشود احوال والدِ ایشان ازیں بلند تر ست کہ شرحِ آں دریں مختصر نہ گنجد لہذا بریں قدر اختصار رفت"۔

ترجمہ۔ فرمایا ہے کہ ہم کو قرآن مجید کے سمجھنے کے لئے اور احادیث حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم پر تدبّر کرنے کے لئے محاورات عرب سے واقفیت اور اطلاع ہونا ضروری ہے۔جیساکہ اس ملک کے لوگوں سے ہمکلامی کے وقت ان کے معانی مقصودہ اور محاورات کو سمجھنے کے لئے ضرورت ہے۔تاکہ عقلمندوں کے روبرو ان کے معنی مقصودہ کو نہ سمجھنے سے شرمندگی نہ اٹھانی پڑے"۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں کے والد ماجد نے شروع سے ہی آپ کو عشق ومحبت کی تعلیم دی یہی وجہ ہے کہ حضرت کے رگ وریشہ میں انہارِ محبت بہنے لگیں۔

آپ بچپن سے ہی اتباعِ سنت نبویؐ میں بے حد کوشش فرماتے تھے۔چنانچہ ایک روز آپ کے والد ماجد آپ کو اپنے پیر صاحب کی خدمت میں لے گئے اتفاق سے ان بزرگ سے سماع وسُکر کی حالت کی وجہ سے نمازِ عصر ومغرب فوت ہو گئی۔اس حال کو دیکھ کر حضرت مرزا صاحب نے اپنے دل میں سوچا اور کہا کہ اگر والد ماجد مجھ سے ان بزرگ سے بیعت ہونے کو کہیں گے تو میں قبول نہیں کروں گا۔گویا پابندی شرع وسنت کی عادت حضرت کی طبیعت میں ازلی تھی۔اسی کم سنی کے زمانے سے آپ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نظر میں مقبول تھے۔جب ان کا نامِ نامی آپ کے سامنے آتا تھا آپ کا رنگ متغیر ہوجاتا تھا گویا کہ مسمیٰ ہو بہو آپ کے سامنے تشریف فرما ہیں۔اسی طرح سے حضرت مجدد رضی اللہ عنہ کی روح بصورت نورانی ظاہر ہوتی اور امر ومعروف کے متعلق القا فرماتے۔حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو نو سال کی عمر میں خواب میں دیکھا تھا اور آپ کی پشت مبارک پر شفقت کا ہاتھ رکھا تھا۔جب یہ واقعہ حضرت نے اپنے والد ماجد سے نقل کیا اس وقت

سے والد ماجد ان کی زیادہ توقیر فرمانے لگے ۔ اور بلا میرزا صاحب کے دوسرا لفظ زبان پر نہ لاتے تھے ۔ ایک دفعہ بہشت کو بمعہ تمام انبیاء علیہ السلام کے دیکھا تھا ۔

مذکورہ واقعات سے واضح ہے کہ کششِ ربانی آپ کو نسبت نقش بندیہ کی طرف کھینچ رہی تھی ۔ سلسلۂ نقش بندیہ کیا ہے؟ ۔

سلسلہ نقش بندیہ

تو نقشِ نقش بنداں راچہ دانی — تو شکل و پیکر جان راچہ دانی
گیاہِ سبز داند قدر باراں — تو خشکی قدر باراں راچہ دانی
ہنوز از کفر و ایمانت خبر نیست
حقائق ہائے ایمان راچہ دانی

صاحب مقامات مظہری حضرت سید شاہ غلام علی شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے ۔ کہ طریقہ نقش بندیہ وہ ہے کہ جس میں قلب اور مبدءِ فیاض پر توجہ دوامی رہتی ہے ۔ نوافل و عبادات میں اعتدال سے کام لیا جاتا ہے ۔ ترک مالوفات میں میانہ روی کا دستور ہے ۔ اپنے اوقات کو اوراد و اذکار سے معمور کرنا ہوتا ہے کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ اس طریقہ میں توبہ سے مقام رضا تک مقامات سلوک تک باجمال معمول ہے اور اس سب کا مقصد حضور و دوام بذات الٰہی اور جذب محبّتِ روحی و ذوق و شوق و سکون و جمعیت قلبی ہے ۔ خیال مشہود میں ڈوبے رہنا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے ۔
الاحسانِ ان تعبُدَ ربّک کانّک تراہُ احسان یہ ہے کہ عبادت کرو اپنے پروردگار کی اس طرح کی گویا اس کو دیکھتے ہو ۔ اس طریقہ کے لوگوں کے حالات عجیب و غریب ہوتے ہیں ۔ بعض لوگ اپنے جذبات قلبی کی وجہ سُکر و مستی سے مغلوب الحال ہو جاتے ہیں ۔ بعضوں کو اسرار توحید منکشف ہوتے ہیں اور تصرفات نقش بندیوں

کے عجیب وغریب ہیں۔ ہمت باندھنا کسی مراد پر تو اس مدّعا کا ہمت کے موافق ہونا اور طالب میں تاثیر کرنا۔ بیماری کو مریض سے دفع کرنا اور عاصی پر توجہ کا اضافہ کرنا اور لوگوں کے دلوں پر تصرف کرنا تاکہ وہ محبوب اور معظم ہوجاویں۔ یا ان کے خیالات میں تصرف کرنا تاکہ ان میں واقعات عظمیہ متمثّل ہوں اور آگاہ ہوجانا اللہ کی نسبت پر۔ زندہ ہوں یا اہل قبور۔ اور لوگوں کے خطرات قلبی پر۔ اور جو ان کے سینوں میں خلجان کر رہا ہے۔ اس پر مطلع ہونا اور وقائع آئندہ کا مکشوف ہونا اور بلاء نازل کو دفع کر دینا اور سوائے اس کے اور بھی تصرفات ہیں۔ توجہ دے کر طالب کے قلب کو جاری کر دینا۔ ادھر ہاتھ پکڑا ادھر قلب جاری ہوگیا انہیں بزرگوں کے تصرفات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ کو اس طریقہ میں اپنی خاص عنایت سے دوسرے اور مقامات اور مدارج پر فائز المرام کیا تھا۔ اور ایک مقام سے دوسرے مقام تک حالات وعلوم جدا جدا کرامت فرمائے تھے۔ آپ کے طریقہ سے متوسل حضرات ان حالات اور کیفیات کے امتیاز کو بخوبی جانتے ہیں۔ مگر تمام لوگ سب مقامات پر نہیں پہونچے ہیں۔ لیکن کوئی بھی کرامت ذکر قلبی کی مداومت و توجہ الی اللہ و تہذیب اخلاق و اتّباعِ سنتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بغیر نہیں حاصل ہوتی ہے۔ الحمد للہ کہ اس طریقہ کے متوسلان کو یہ سعادات حاصل ہیں۔

محال است سعدی کہ راہ صفا۔ توان رفت جز در پۓ مصطفےٰ[۱۹]۔ یہی وجوہات ہیں کہ ہمارے حضرت میرزا مظہر جان جاناںؒ نے خاندان نقش بندیہ سے کسب کمال وتکمیل طریقہ کیا ہے اور اسی طریقہ کے اشغال واذکار میں مشغول رہے اور طالبانِ خداوند تعالیٰ کو اسی عالی مرتبہ طریقہ کے بزرگوں کی نسبت پر تعلیم دی۔ حضرت خاندان قادری وچشتی وسہروردی کے طریقوں کی بھی خلافت رکھتے تھے اور فیوض وبرکات بھی حاصل کی تھیں بعض لوگوں کو خاندان قادری وچشتی میں بیعت فرمایا ہے اور شجرہ شریفہ ان بزرگان ہی کا ان کو دیا۔ پھر بھی نسبت نقش بندی میں

میں زیادہ جذب رکھتے ہیں ۔

آپ کا حضرت سیّد السادات کی خدمت میں پہونچنے کا واقعہ بھی عجیب وغریب ہے ۔ والد ماجد کے وصال کے بعد دوستوں کی تکلیف کی وجہ سے دو سال تک دنیا کی طلب میں گزارے ۔ اس زمانے کے امرار آپ کی اعلیٰ ہمتی اور اعلیٰ نسبی کو دیکھ کر اپنی دختران کو آپ سے نسبت کرنے کے لئے تیار تھے ۔ کہ آنحضرت نے خواب میں دیکھا کہ گویا آپ کسی بزرگ کے مزار پر زیارت کے لئے تشریف لے گئے ہیں صاحب مزار نے مزار شریف سے برآمد ہو کر اپنی ٹوپی حضرت کے سر پر پہنادی بعد اس خواب کے دنیا طلبی کا خیال دل سے باہر ہو گیا تذکرہ سروآزاد میں ہے کہ حضرت نے فرمایا ہے کہ بچپن سے اس خاکسار کو ہوس جاہ ومال نے پریشان نہیں کیا ۔ تحصیل ضروریات کے بعد اس فقیر نے خود کو فقیروں کے دامن سے وابستہ کر لیا ۔ ایک روز حضرت کے دولت خانہ پر احباب جمع تھے ۔ اسبابِ طرب مہیّا تھے ۔ آپ کے دوستوں میں سے کسی شخص نے اوصاف شریف حضرت سیّد السّادات سیّد نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کر دیئے ۔ سنتے ہی حضرت کو شاہ موصوف سے ملاقات کے اشتیاق کا غلبہ پیدا ہو گیا ۔ باوجود حاضرین مجلس کی ممانعت کے آستان سعادت نشان کی زیارت کے لئے چل پڑے جب شرفِ ملاقات سے مشرف ہو لیے تو چونکہ آپ کے دل کا تعلق ابھی دوستوں کی طرف تھا ۔ عرض کیا کہ انشاء اللہ تعالیٰ پھر خدمتِ اقدس میں حاضری دوں گا ۔ اس وجہ سے کہ حضرت سیّد السّادات کا قاعدہ تھا کہ طالب کی صلاحیت واستعداد معلوم کرنے کے بعد اور استخارۂ مسنونہ کے بعد بیعت فرماتے تھے ۔ اس وقت بلا حضرت کی درخواست کے ہی ارشاد فرمایا کہ آنکھ بند کر کے اپنے قلب کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور ایک ہی توجہ میں لطائف خمسہ ذاکر کرنے کے بعد رخصت کر دیا ۔ لطائف خمسہ سے مراد (۱) قلب (۲) روح (۳) سر (۴) خفی (۵) اخفا آپ کے لطائف خمسہ میں ذکر کا غلبہ اس حد تک پہونچا کہ جب دوسرے دن صبح حضرت

کی خدمت میں حاضری کا قصد فرمایا۔ عادتاً آئینہ میں جو نظر کی خود کو ہو بہو حضرت سیّد السّادات کی شباہت میں دیکھا۔ ۱۸ سال کی عمر میں بیعت ہوئے چار سال میں سلوک کی منازل طے کرتے ہوئے ولائت کبریٰ تک پہونچے اور خرقہ واجازت مطلقہ سے سرفراز کئے گئے ۱۱۳۵ھ میں حضرت سیّد السّادات کا وصال ہوگیا۔ مرزا صاحب نے اپنے مرشد کے مزار شریف پر چھ سال تک مجاوری کی اور کسب فیض باطن کرتے رہے۔ ایک رات کو اپنے شفیق مرشد کو خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے مرید رشید سے فرمارہے ہیں۔ "مقصود حق است وآں غیر متناہی پس عمر متناہی خود را تمام در طلب صرف باید کرد۔ و مقصود بدست باید آورد" یعنی مقصود اللہ ہے اور اللہ ہی غیر متناہی ہے انسان کی عمر متناہی ہے لہذا متناہی عمر کو غیر متناہی کی طلب میں پوری طرح سے صرف کرو۔ اس واقعہ کے بعد حضرت اپنے استاد اور شیخ الحدیث حضرت جیو یعنی حضرت شیخ محمد افضل سیالکوٹی جو کہ ایک عالم متبحر اور فاضل دانشور تھے کی خدمت میں گئے اور اپنے کو رجوع کیا حضرت نے فرمایا کہ آپنے سلوک حضرت سیّد السّادات سے ایک روشن راستے پر طے کیا ہے اور مجھ میں ایسی قوت کشفی موجود نہیں ہے چنانچہ آنحضرت نے درس حدیث کے علاوہ یہاں اور کوئی مقامات سلوک طے نہیں کئے لیکن فرماتے ہیں کہ سبق حدیث کے درمیان فیض باطن بھی پہنچتا تھا۔ اس کے بعد میرزا صاحب حضرت شاہ گلشن رحمتہ اللہ علیہ جو کہ حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے پوتے یعنی نبیرۂ حضرت شیخ عبد الاحد سرہندی کے خلیفہ تھے۔ کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ وہاں معلوم ہوا کہ انھوں نے اپنے مریدوں کو حضرت محمد زبیر قدس سرہٗ حضرت مجدد الف ثانی کے پوتے کے سپرد کردیا ہے تو آپ حضرت محمد زبیر صاحب ہی کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے انھوں نے فرمایا کہ آپ نے حضرت سیّد السّادات سے نسبت صحیحہ کا اکتساب کیا ہے اسی نسبت کی محافظت کرو کہ اس کا نتیجہ ظہور میں آئے گا اس کے بعد

حضرت سعد اللہ کی طرف رجوع ہوئے استخارہ میں اجازت ملنے کے بعد ۱۲ سال تک حضرت حافظ سعد اللہ صاحب کی خدمت میں گزارے اور ۱۱۵۲ھ میں حضرت حافظ سعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوگیا ان کے وصال کے بعد حضرت میرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الشیوخ حضرت شیخ محمد عابد سنامی کہ جو حضرت شیخ عبدالاحد مذکورہ کے خلیفہ ہیں اور جو سرہند سے دہلی تشریف لاچکے تھے کی خدمت فیض اقدس میں رجوع کیا۔ آخر کار حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سید السادات کی تمام بشارات کو مسلّم رکھتے ہوئے اسی نقطے سے آخر ولائت علیا و آغاز کمالات نبوت تک کسب مقامات پہنچایا اور سات سال کے عرصے میں حقیقت صلوٰۃ تک پہنچایا اس کے بعد پھر ایک سال میں ابتدا سے انتہا تک بطور سیر مرادی ان مقامات سے بھی گزار دیا اور خصوصیات مجددیہ۔ خلت۔ ومحبت ومحبوبیت وضمنیت کبریٰ وغیرہ بشارات دین اور طریقہائے قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ کی بھی اجازت فرمادی۔ اس زمانہ میں حضرت شیخ محمد عابد سنامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خانقاہ کے اکثر مبتدی مریدوں کو حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کر دیا تھا۔ چنانچہ ابتدائے سلوک سے انتہا تک پہنچانے کے بعد جب حضرت شیخ الشیوخ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گئے۔ حضرت شیخ نے تمام بشارات یار ان کو مسلم رکھتے ہوئے غائبانہ فرمایا کہ ان سے ایک عالم روشن ہوگا۔ حضرت میرزا صاحب کو حضرت شیخ الشیوخ کی صحبت میں ۱۲ سال کامل رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ جب ۱۱۶۰ھ میں حضرت شیخ الشیوخ نے ۱۸ رمضان المبارک کو اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال فرمایا۔ اس وقت سے حضرت نے اپنی پوری قوت طالبان حق کی تربیت میں صرف کی۔ تقریباً ۳۵ سال خانقاہ عالی جاہ مجددیہ کو رونق تازہ و رواج بے اندازہ بخشے۔ کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا کہ تقریباً سو طالبان حق کو توجہ نہ دیتے ہوں۔ اور فرماتے تھے کہ نسبت قادریہ وطریقہ چشتیہ بطور اُویسیت جناب قطب ربانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی

و حضرت قطب الدین بختیار کاکی سے حاصل ہوئی ہیں۔ احادیث حضرت حاجی محمد افضل صاحب رحمۃ اللہ سے و قرأت حافظ عبد الرسول قاری دہلوی سے سند کی جو کہ شیخ القراء شیخ عبد الخالق مصری کے شاگرد رہیں۔ تحصیل کیں۔

حضرتِ میرزا صاحب کے پیرانِ مرشدان

(۱) حضرت سید السادات سید نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سید السادات سید نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ ظاہر و باطن تمام علوم کے عالم، فقیہ کامل و عارف مکمل تھے۔ کسب طریقہ احمدیہ شیخ سیف الدین فرزند و خلیفہ عروۃ الوثقی حضرت خواجہ محمد معصوم فرزند و سجادہ نشین حضرت مجدد الف ثانی سے کیا ہے۔ علوم ظاہر و باطن دونوں میں کمال حاصل تھا۔ ان کا استغراق و جذب و کیف بے حد تھا۔ ۱۵ سال تک جذب کی کیفیت طاری رہی آپ کو قطعی ہوش نہیں آتا تھا۔ صرف نماز کے وقت ہوش میں آجاتے تھے۔ بعد ادائے نماز پھر استغراقی کیفیت طاری ہو جاتی تھی آخر میں اس حالت سے افاقہ ہو گیا تھا۔ سنت نبوی کی اتباع سخت پابندی سے کرتے تھے۔ کتب سیر و اخلاق نبوی ہمیشہ اپنے سامنے رکھتے تھے۔ اور اسی کے موافق عمل کرتے تھے۔ ایک بار سید صاحب پیر بیت الخلاء میں رکھ دیا تین روز تک احوال باطن میں قبض کی سی کیفیت رہی۔ بعد بے حد تضرع و زاری کے کیفیت میں تبدیلی ہوئی۔ لقمہ میں احتیاط رکھتے تھے یعنی حلال رزق کے سوا اور رزق سے لقمہ بھی نہیں اٹھاتے تھے۔ اپنا کھانا اپنے ہاتھ سے چند روز کے لئے پکا رکھتے تھے جب زور کی بھوک لگتی اس میں سے ٹکڑا اکھا کر مراقبہ میں چلے جاتے تھے۔ کثرت مراقبہ سے پشت شریف خمیدہ ہو گئی تھی۔ فرماتے تھے کہ تیس سال گزرے ہیں کہ غذا کے مزے سے طبیعت کا تعلق ختم ہو گیا ہے۔ حاجت

کے وقت جو کچھ میسّر ہوتا ہے کھا لیتا ہوں ۔ دو سالنوں کا جمع کرنا بدعت سمجھتے تھے ۔ کمال تقویٰ کی وجہ سے اپنے ایک فرزند کو روغن اور دوسرے کو شکر عطا کرتے تھے ۔ امیروں اور اغنیا کا کھانا ہرگز نہیں کھاتے تھے ۔ کیونکہ زیادہ تر مشکوک ہوتا تھا ۔ ایک بار ایک دنیادار کے یہاں سے کھانا حضرت کی خدمت میں آیا ہوا تھا ۔ فرمایا اس میں ظلمت معلوم ہوتی ہے ۔ حضرت میرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں موجود تھا از روئے نوازش مجھ سے فرمانے لگے تم بھی اس کھانے میں غور کرو ۔ آنحضرت نے متوجہ ہوکر غور کیا اور فرمایا کہ کھانا تو وجہ حلال سے ہے ۔ لیکن بہ سبب نیت ریا عفونت پیدا ہوگئی ہے ۔ اگر کسی اہل دنیا سے کتاب مستعار طلب فرماتے تو تین روز تک اس کا مطالعہ نہیں فرماتے تھے ۔ فرماتے تھے کہ ظلمت صحبت صاحب کتاب اس میں غلاف کی طرح بندھی ہے ۔ آپ کی صحبت کی برکت سے جب اس کتاب کی ظلمت ختم ہوجاتی اس کا مطالعہ فرماتے تھے ۔
حضرت میرزا صاحب کو اپنے پیر و مرشد حضرت سیّد السادات سے بے حد محبت تھی ۔ حضرت مرشد کا نام آتے ہی آنکھیں پرآب و پرنم ہوجاتیں تھیں ۔ فرمایا کرتے تھے کہ عزیزوں نے حضرت سیّد کی زیارت نہیں کی اگر ان کو دیکھتے تو اللہ کی قدرت کاملہ کو دیکھ کر ایمان میں تازگی پیدا کرتے ۔ کہ وہ اپنی مخلوق میں ایسی باکمال ہستیاں پیدا کرنے کی قدرت کاملہ رکھتا ہے ۔ آپ کے مکاشفات بہت صحیح اور مطابق واقع ہوتے تھے بلکہ کہنا چاہیئے کہ ہم لوگوں کو جو کچھ سر کی آنکھوں سے محسوس نہیں ہوتا ہے آپ چشم دل سے معائنہ فرماتے تھے ۔ وتصرفات قوی رکھتے تھے ۔ اپنے مخلصوں کی ضروریات کی مقصد برآری کے لئے ہمّت کرتے تھے ایسا کم ہوتا تھا کہ آپ کی توجہ شریف خالی جائے اور مقصد پورا نہ ہو ۔ ایک بار ایک عورت نے خدمت شریف میں عرض کیا کہ میری بیٹی کو جنّ اٹھا کر لے گئے ہیں ۔ بہت سے اعمال و وعزائم پڑھے گئے ۔ کچھ بھی فائدہ نہ ہوا ۔ اس معاملہ میں توجہ فرمائی جائے حضرت دیر تک مراقبہ کی حالت میں متوجہ رہے بعد ازاں فرمایا فلاں وقت آپ کی لڑکی

آجاویگی آپ کی توجہات کی برکات سے ایسا ہی ہوا کہ اس کی دختر واپس آگئی۔ اس لڑکی سے ماجرا پوچھا گیا۔ بتلایا کہ میں جنگل میں تھی ایک بزرگ نے میرا ہاتھ پکڑ کر یہاں پہنچا دیا ہے۔ کسی نے وجہ مراقبہ اور سکوت کی بابت دریافت کیا کہ فوراً آپ نے کیوں جواب نہیں دے دیا تھا۔ کہ تیری لڑکی آجاوے گی۔ فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں فریاد کی کہ اگر میری دعا و توجہ میں اثر ہو تو اس دختر کی حاضری کی طرف توجہ کروں۔ بہر صورت بہ الہام الٰہی معلوم ہوا کہ فقیر کی ہمت اس کام میں اثر رکھتی ہے۔ تو میں نے کہد یا کہ دختر آجاوے گی۔ آپ کا ہر ایک عمل رضائے الٰہی کے لئے ہوتا تھا۔ ایک بار دو رافضی عورتیں حاضر ہوئیں اور طلب طریقہ کے لئے اظہار کیا۔ حضرت نے اپنے نور فراست سے سمجھ کر فرمایا اوّل اپنے برے عقیدے سے توبہ کرو بعد کو طریقہ میں آؤ۔ ایک نے آپ کے کمال کا اقرار کرتے ہوئے توبہ کی اور مرید ہوگئی۔ اور دوسری کو توفیق نہ ہوئی۔ آپ کے مخلصوں میں سے ایک ہوائے نفسانی میں مبتلا تھا۔ اور چاہتا تھا کہ خود کو معصیت خداوندی میں مبتلا کرے حضرت کی صورت مثالی اس کی حفاظت کے لئے پہونچی اور عورت نے خوف سے چلاّنا شروع کیا اور ایک کونہ میں جاکر چھپ گئی۔ اور وہ مخلص توبہ کر کے ایک مدت تک شرمندگی سے حضرت کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا۔ آپ کی وفات ۱۱ ذی قعدہ ۱۱۳۵ھ میں ہوئی اور دہلی میں حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ کے جنوبی طرف نالے کی دوسری جانب حضرت کا مزار پُر انوار واقع ہے۔

۴۸-۱۹۴۷ء میں پاس پڑوس کے ہندوؤں نے خانقاہ شریف کو نقصان پہنچایا تھا اور چہار دیواری وغیرہ کو خراب کر دیا تھا۔ اس کی مرمت اسی زمانہ میں میرے پیر مرشد حضرت مولانا شاہ زید ابوالحسن شاہ صاحب فاروقی نے کروائی۔ بالو سیمینٹ وغیرہ سامان وہاں پہنچایا گیا۔ سامان کی وجہ سے دو مزدوروں کو اس جنگل میں رات کو رکنا پڑا وہ ڈر رہے تھے کہ رات کے وقت ان میں سے ایک

نے دیکھا کہ مزار شریف پر کوئی سفید پوش وسفید ریش بزرگ بحالت مراقبہ بیٹھے ہیں جس حالت میں کہ حضرت سید السّادات مراقبہ فرمایا کرتے تھے۔ دیکھنے والے نے اپنے دوسرے ساتھی کو اشارہ سے جگایا اور بتلایا کہ دیکھو حضرت سید صاحب بیٹھے ہیں۔ یہ حالت دیکھ کر ان دونوں کا خوف جاتا رہا۔ وہ دیر تک دیکھتے رہے کہ حضرت صاحب کچھ دیر کے بعد وہاں سے غائب ہو گئے۔ صبح کو ان دونوں مزدوروں نے فاتحہ کے لئے مٹھائی منگا کر رکھ لی اور ارادہ کیا کہ جب حضرت شاہ صاحب دہلی سے تشریف لائیں گے تو حضرت کی فاتحہ دلوائیں گے۔ کچھ دیر بعد صبح کو دن میں جب حضرت صاحب مزار شریف پر تشریف لے گئے تو ان لوگوں نے رات کا واقعہ بتلایا اور فاتحہ کے لئے مٹھائی پیش کی حضرت نے فرمایا کہ جو حلیہ تم لوگوں نے بتلایا یہ سیّد صاحب کا ہی ہے[1]۔ اور واقعی تم لوگ خوش قسمت ہو جو کہ تم کو حضرت کی زیارت نصیب ہوئی۔ میں حضرت کے مزارِ اقدس پر حاضری دیتا ہوں اور مراقبہ کرتا ہوں۔ عجیب جذب وکیف اور عجیب حضرت کی نوازشیں ہوتی ہیں۔ فالحمد للہ۔

حاجی محمد افضل سالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ

عالم متبحر وفاضل ودانشور تھے۔ اسرار علوم باطن میں ماہر حجۃ اللہ نقش بند فرزند حضرت محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ سے دس سال تک استفادۂ فیض باطنی کیا تھا۔ بارہ سال تک حضرت شیخ عبد الاحد فرزند وخلیفہ شیخ محمد سعید فرزند وسجادہ نشین حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہ کر مقامات عالیہ طے کیے تھے۔

---

[1] اس واقعہ کا تذکرہ مقامات خیر میں حضرت پیر مرشد مولانا شاہ زید ابو الحسن فاروقی نے بھی کیا ہے اور یہ بھی بتلایا ہے مزار کو نقصان پہونچانے والے ہلاک ہو گئے۔

علوم معقول و منقول بھی انہیں سے حاصل کئے تھے۔ اور سند حدیث بھی انہیں سے لی تھی۔ حاجی صاحب کا استغراق بہت قوی تھا اور فنا و نیستی کے نشے میں ہر وقت بے خود رہا کرتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ان سے سند حدیث لی تھی۔ حاجی صاحب کو کتابوں سے بے حد شغف تھا۔ نقد کی صورت میں جو ہدیہ ملتا اس کی کتابیں خرید لیتے اور وقف کر دیتے تھے۔ ایک بار کہیں سے پندرہ ہزار روپیہ آئے انھوں نے پوری رقم سے کتابیں خرید لیں۔ اور حسب معمول وقف کر دیں۔ (از مقامات مظہری) حاجی صاحب نے ۱۱۴۶ھ میں وفات پائی۔ مزار شریف حضرت خواجہ باقی باللہ شاہ صاحب کے مزار شریف کے پاس ہے۔

حضرت شاہ گلشن رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ گلشن حضرت شیخ عبد الاحد نبیرۂ حضرت مجدد الف ثانی کے خلیفہ تھے۔ علوم ظاہری و باطنی اور زہد و ورع میں صاحب کمال تھے۔ تین تین دن کے بعد کھانا کھاتے تھے۔ تیس سال ایک ہی کمل میں گزار دئیے۔ جامع مسجد دہلی میں سکونت پذیر تھے۔ جب پیاس لگتی تو مسجد کے حوض میں سے دو تین چلو پانی پی لیتے تھے جو زیادہ تر گرم ہوتا تھا۔ ۱۱۵۳ھ میں انتقال فرمایا۔

حضرت محمد زبیر نبیرہ و خلیفہ حضرت حجتہ اللہ نقشبندی

نبیرہ و خلیفہ حضرت حجتہ اللہ نقش بندی بہت عبادت گزار تھے۔ دولتِ دنیا و دین دونوں سے سرفراز تھے۔ عصر کی نماز کے بعد مشکوٰۃ اور مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ بادشاہ وقت اور امرائے عصر اُن کے مرید و معتقد تھے۔ ۱۱۵۲ھ میں وفات پائی پہلے دہلی میں مدفون ہوئے پھر تابوت مبارک سرہند لے گئے۔ غلام سرور۔ خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل صفحہ ۶۶۹۔

حضرت حافظ سعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حافظ سعد اللہ خلیفہ حضرت محمد صدیق فرزند و خلیفہ حضرت محمد معصوم علیہ الرحمۃ کے ہیں۔ تیس سال تک اپنے پیر مرشد کی صحبت میں رہ کر طریقہ احمدیہ میں مقامات علیہ طے کئے۔ خانقاہ کے فقیروں میں ان کا لقب سیّد الصوفیہ تھا۔ وہ فخریہ فرمایا کرتے تھے کہ میں ۳۰ سال تک اپنے پیر کی خانقاہ کا پانی اپنے سر پر رکھ کر لایا کرتا تھا ایک بار ان کے مرشد نے انھیں احمد آباد بھیجا تمازت آفتاب کی وجہ سے ان کی آنکھوں کی روشنی جاتی رہی تھی۔ مگر بینائی قلب نور معرفت سے روشن ہوگئی تھی۔ اور فرماتے ہیں کہ خدمت خانقاہ کی برکت سے میرے دروازے پر اتنے خادمان آتے ہیں کہ ہر ایک کی خدمت کی نوبت نہیں آنے پاتی ہے۔ چشمِ سر ماسوا کے التفات سے غنی ہوگئی تھی۔ فرماتے ہیں مجھ کو مراقبہ علی الدّوام کی مشق حاصل ہے۔ عاجزی وانکساری

مزاج میں بے حد تھی۔ نواب خاں فیروز جنگ آپ کے مریدوں میں سے تھے ایک دن آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ سید حسن رسول نمار حمۃ اللہ علیہ جس کسی کو چاہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف فرما دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں جس کسی کو چاہوں دو بار حضور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت سے مشرف کرادوں۔ تم آج کی رات فاتحہ پڑھ کر حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ مبارک کی طرف متوجہ ہو کر سو جانا۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ زیارت سے مشرف ہوئے۔ سو روپیہ حضرت کے لئے ہدّیہ مقرر کیا۔ دوبارہ پھر فاتحہ پڑھ کر خواب میں مشغول ہوئے۔ پھر اس سعادت زیارت سے مشرف ہوئے۔ صد روپیہ دوبارہ ہدّیہ مقرر کر کے صبح کو حضرت پیر مرشد کی خدمت میں حاضری دی اور صرف سو روپیہ نذر کئے کہ الحمد للہ بتوجہ شریف دولت زیارت سے سرفرازی حاصل ہوئی ہے۔ حضرت نے نور فراست سے معلوم کر کے فرمایا کہ وہ دوبارہ کے سو روپیہ کہاں ہیں۔ انھوں نے مضطر ہو کر وہ سو روپیہ بھی نذر کئے۔ آپ علم ظاہر میں مہارت نہیں رکھتے تھے۔ آپ کی خانقاہ میں ایک بڑی بلی تھی۔ حضرت کی توجہات کے اثر سے کنجشک چڑیوں پر اتنی مہربان تھی وہ اپنا منہ کھولتی تھی اور اس میں گیہوں کے دانے ڈال دیئے جاتے تھے۔ کنجشک ہر طرف سے آ کر منہ کے اندر سے دانے چن لیا کرتی تھیں اور بلی کے ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔ آپ کے فیض سے بہت سے اشخاص مقامات قرب تک پہونچے آپ کی وفات ۱۱ شوال ۱۱۵۰ھ میں ہوئی۔ (مقامات مظہری)

"شیخ الشیوخ شیخ محمد عابد سنامی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ محمد عابد سنامی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ عبدالاحد کے عظیم المرتب خلفاء میں سے ہیں۔ علم و عمل ورع و تقویٰ میں عظیم الشان تھے۔ کثیر العبادت و کثیر الذکر تھے۔ تہجد میں سورہ یٰسین ساٹھ بار تلاوت فرماتے تھے اور بعد ہر دوگانہ ذکر و مراقبہ فرماتے تھے۔ آدھی رات سے صبح تک عبادت خدا و یادِ مولیٰ میں مشغول رہتے تھے۔ مرض موت کہ چھ ماہ

تک آپ کو اسہال کی بیماری رہی سورہ یٰسین ۳۵ بار تہجد میں تلاوت فرماتے تھے۔ بیس ہزار بار ذکر کلمہ طیبہ و ہزار بار نفی و اثبات بحبس نفس ادا فرمایا کرتے تھے۔ تلاوت کلام اللہ درود و وظیفہ بھی پڑھتے تھے۔ تقریباً دو سو آدمی علماء و صلحا میں سے آپ کے حلقے میں بیٹھتے تھے۔ بے شمار لوگ و طالبان آپ کی توجہات کی برکات سے مقامات احمدیہ کی نہایت تک پہونچے تھے۔ اور ارباب فنا و بقا کہ آپ کی صحبت مبارکہ سے استغراق و بے خودی، ولائت و تہذیب اخلاق سے فائز تھے وہ بے شمار تھے۔ جو کوئی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ اس کو القاء ذکر و انوار جمعیت کی توجہ فرماتے تھے۔ ایک روز مسجد میں تشریف لائے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک[1] شخص اپنے مریدوں کا مجمع لگائے بیٹھے ہیں۔ اور کچھ اور کو مرید کر رہے ہیں۔ اور ان کا باطن نور نسبت مع اللہ جو کہ صوفیا میں ہونی چاہیئے۔ خالی ہے کیونکہ بڑے بزرگوں کے نزدیک بلا فنائیت قلب و واردات ولایت و تہذیب اخلاق کے مرید کرنا حرام ہے۔ حضرت کو اس کی حالت پر شفقت پیدا ہوئی۔ بہت دیر تک اس کی حالت کی طرف متوجہ رہے۔ حتیٰ کہ اس کو ولائت قلبی کے مرتبہ تک پہنچا دیا۔ ایک دن ایک قبرستان سے گزرے اور اموات کی حالات کی طرف متوجہ ہو کر مراقبہ کی حالت میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ یہ بیچارے فیض کی درخواست کر رہے ہیں۔ ان کی حالت پر توجہات فرمائی۔ فقیر نے اپنے مرشد کی زبان مبارک سے خود سنا ہے فرماتے ہیں کہ اس وقت میں حاضر تھا۔ اس وقت حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہو رہا تھا۔ حضرت کی توجہات کے اثر سے تمام مقبرہ انوار و برکات سے مقام عالی ہو گیا۔ حضرت حرمین شریفین کی زیارت کے لئے پاپیادہ تشریف لے جاتے تھے۔ حضور سرور کائنات ﷺ کے الطاف سے سرفرازی حاصل فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ میرے سینے کی ازلی جلن و سوزش

---

[1] مقامات مظہری از حضرت سید شاہ غلام علی صفحہ ۱۳۔

انتہا کو پہونچی ہوئی تھی۔ اور کسی جگہ کم نہیں ہوتی تھی۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت سے تسکین پاتے تھے۔ اور جو کچھ منظور ہوتا حاصل ہوتا تھا۔ وہاں طالبان آپ کے فیوض و برکات سے زیادہ سے زیادہ استفاضہ حاصل کرتے تھے۔ ایک شخص مدینہ منورہ میں ریاضت و مجاہدہ و نوافل و عبادات بہت زیادہ کرتے تھے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے لئے ارشاد ہوا کہ حضرت شیخ محمد عابد سنامی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہ کر فیض حاصل کرو۔ انھوں نے اس کو مجاہدات سے منع فرمادیا اور عبادات میں میانہ روی کا حکم فرمایا۔ وہ چونکہ ریاضات شاقّہ کا عادی تھا۔ حضرت کے فرمان پر عمل نہیں کیا۔ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس کو حضرت کی عنایت لازمی کر لینے کے لئے حکم فرمایا۔ پس اس نے حضرت کی خدمت سے استفادہ حاصل کیا اور حضرت کی تربیت کی خوبی سے مقامات عالیہ تک پہونچا۔ حضرت کی وفات ۱۱۶۰ھ میں دس رمضان المبارک کو ہوئی۔ (از مقامات مظہری صفحہ ۱۴)

۱۹۴۸ء کے بعد کا کسی سنہ کا واقعہ ہے مجھ کو اب صحیح تاریخ نہیں یاد رہی کہ ہم کچھ اہل سلسلہ دہلی میں اپنے پیر مرشد حضرت مولانا شاہ زید ابوالحسن شاہ صاحب فاروقی کی خدمت فیض درجت میں حاضر تھے۔ حضرت نے ایک دن فرمایا کہ تم لوگ اپنے سلسلے کے بزرگ حضرت شیخ محمد عابد سنامی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر حاضری دے آؤ۔ ابھی حال میں وہاں ایک عجیب واقعہ پیش آیا ہے وہ یہ کہ آپ کا مزار مبارک سبزی منڈی سے آگے مبارک باغ کے نام سے مشہور جگہ پر ہے۔ مبارک باغ کی زمین کسی سندھی نے لے لی ہے اور اس نے وہاں ایک کسی چیز کا کارخانہ قائم کیا ہے۔ زمین حاصل کرنے کے بعد اس نے مزار مبارک کو ختم کروانے کا ارادہ کیا تو حضرت نے اس کو حکم دیا کہ خبردار اس حرکت ناجائز سے باز رہنا اور اگر مزار کو کوئی نقصان پہونچا تو اچھا نہ ہوگا۔ اس سندھی نے اس امر کو اتفاقی سمجھا اور اپنے ارادے سے باز نہیں آیا تو دوسری شب حضرت نے اس کو اس کی چارپائی سے پکڑ کر الگ پھینک

دیا اور فرمایا کہ کیا تو اپنے غلط ارادے سے باز نہیں آئے گا۔ اس نے گھبرا کر توبہ کی اور اپنے ارادے کو ملتوی کر دیا اور مزار شریف کو تو قائم رکھا ہی اس کے چاروں طرف ایک بڑا سا لمبا چوڑا چبوترہ جو تقریباً ۳ یا چار فٹ اونچا ہو گا اس کو پکا بنوا دیا ہے اور ایک ہینڈ پائپ لگوا دیا ہے چونکہ وہاں مسلمان نہیں ہیں لہذا یہی سندھی مزار شریف کی دیکھ بھال اور صفائی کیا کرتا ہے۔
حضرت مرشدنا کے فرمان پر ہم لوگ بذریعہ بس مزار مبارک تک گئے۔ وہاں ہم دس بارہ مسلمانوں کو سندھی لوگوں نے دیکھا تو کہنے لگے کہ کیا آپ لوگ درگاہ شریف پر آئے ہیں۔ ہم لوگوں نے بتلایا کہ ہاں۔ انھوں نے کارخانہ کے اندر کی طرف جاتے ہوئے راستہ پر ہم لوگوں کو کر دیا۔ اندر پہنچ کر ہم لوگوں نے دیکھا کہ مزار شریف کے چبوترے کے نیچے کچھ سندھی چارپائی پر بیٹھے تھے۔ ہم لوگوں نے خدمت کے طور پر مزار شریف کی صفائی کی اور فاتحہ پڑھ کر مراقبہ کیا جب واپس ہونے لگے تو ان سندھیوں نے بتلایا کہ حضرات آپ لوگ تو آج صفائی کر کے جا رہے ہیں۔ ہم یہاں روزانہ صفائی کرتے ہیں اور کہنے لگے کہ ہم لوگ تو ان حضرات کی برکات سے روزی کھا رہے ہیں۔ فالحمد للہ۔
جس کسی کو شوق ہو۔ حضرت کے مزار شریف پر حاضری دے اور آج بھی آپ کی زندہ کرامات کو دیکھ کر ایمان و یقین میں روشنی پیدا کرے۔

(ت) مرزا صاحب بہ حیثیت ایک صوفی ان کے اخلاق و عادات وغیرہ

فرماتے ہیں کہ رسائل محاورۂ فارسی میں اپنے والد ماجد سے پڑھے اور کلام اللہ قاری عبد الرّسول صاحب سے پڑھا علم تجوید و قرأت کی سند بھی انھیں سے حاصل کی۔ علم حدیث و تفسیر حاجی محمد افضل رحمۃ اللہ علیہ سیالکوٹی سے تحصیل کیا۔ علم معقول و منقول اس زمانے کے عالموں سے سیکھا۔ والد صاحب کے انتقال کے بعد کتب مبسوطہ کا علم بھی حضرت حاجی محمد افضل سیالکوٹی سے ہی حاصل کیا۔ تحصیل علم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد حضرت حاجی صاحب نے اپنی کلاہ جو کہ پندرہ سال سے ان کے عمامہ کے نیچے موجود تھی۔ حضرت مرزا صاحب کو مرحمت فرمائی۔ حضرت میرزا صاحب فرماتے ہیں کہ رات کو اس کلاہ کو گرم پانی میں بھگو کر رکھ دیتا تھا اور صبح کو اس کا دھوون (غسالہ) جو کہ املتاس کے شربت کی طرح سے سیاہ ہوتا تھا۔ پی لیتا تھا۔ اس کے پینے سے اتنی ذہانت بڑھ گئی کہ کوئی مشکل کتاب مشکل نہیں معلوم ہوتی تھی۔ آخر جب نسبت باطنی نے غلبہ کیا کتاب کا شغل ترک ہوگیا فرماتے ہیں کہ غیب سے کسی نے کہا تجھ کو آپ سے بہت سے کام ہیں۔ ہدایت خلق و اشاعت طریقہ آپ کے وجود سے وابستہ ہے۔ لہٰذا افادہ کے وقت نسبت باطنی کے انوار سے صاف معلوم ہوتے تھے۔ اس کام میں تائید غیبی پہونچتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا فقیر کا وجود ہے ہی نہیں۔ حضرت نے خود فرمایا ہے کہ فقیر ابراہیمی مشرب رکھتا تھا۔ حضرت پیر و مرشد نے تصرف باطنی کی قوت سے محمدی المشرب بنا دیا۔ فرماتے ہیں کہ جن ایّام میں انھوں نے غلام کو

بشارت محمدی صلی اللہ علیہ وسلّم دی اور جب اس مقام کے انوار میں فنائیت حاصل ہوئی۔ میں دیکھتا تھا کہ گویا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فقیر کے مقابلے میں تشریف فرما ہیں پھر دیکھتا تھا کہ اس غلام کے بجائے حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھ رہے ہیں اور حضور کی جگہ یہ غلام بیٹھا ہوا ہے۔ پھر دیکھتا تھا کہ دونوں مقامات پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی تشریف فرما ہیں۔ پھر دیکھتا ہوں کہ دونوں مقامات پر یہ فقیر ہی بیٹھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر تھا۔ فقیر کے بارے میں یعنی میرزا صاحب کے بارے میں فرماتے تھے کہ گویا دو آفتاب ایک دوسرے کے مقابلے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ روشنی و انوار اس درجہ تیز تھے کہ ایک دوسرے کا امتیاز نہیں ہوتا تھا۔ اگر طالبانِ خدا کی طرف متوجہ ہوں تو ایک عالم کو روشن کر دیں۔ فرماتے ہیں کہ ایک روز غائت تواضع سے فقیر کے زانو کو بوسہ دے کر فرمایا کہ آپ کی طرح کا میرے اصحاب میں اور کوئی نہیں ہے۔ ایک روز فرمایا کہ آپ کے لئے خدا و رسولؐ کی طرف سے ثابت ہے کہ آپ کی توجہات سے طریقہ رواج پائے گا۔ آپ کو بارگاہ الٰہی سے شمس الدین حبیب اللہ کا لقب عطا کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ نے اپنے چند اصحاب کی تربیت فقیر کے حوالہ کر دی تھی۔ فقیر ان کو مقامات کی انتہا تک پہنچانے کے بعد حضرت کی خدمت میں لے گیا۔ فرمایا کہ حالات و کیفیات ہر مقام کے جو آپ سے کسب کئے ہیں۔ صحیح ہیں اور حضرت امام طریقت حضرت مجددؒ الف ثانی رضی اللہ عنہ کی تحریر کے موافق ہیں والحمد للہ وسلمک اللہ۔

ایک دفعہ حضرت سید السادات نے حضرت میرزا صاحب کے پائے پوش اپنے دست مبارک سے دُرست کر کے رکھ دیئے اور فرمایا کہ تم کو بارگاہ الٰہی میں پوری قبولیت حاصل ہے۔ حضرت حاجی محمد افضل حضرت میرزا صاحب کی تعظیم کے لئے سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ آپ کی نسبت کے کمالات کی تعظیم کرتا ہوں۔ پھر فرماتے تھے "کثر اللہ امثالکم" اللہ آپ جیسوں کی کثرت

کر دے۔ حضرت حافظ سعد اللہ حضرت میرزا کی بے حد تعظیم فرماتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت مجدّد صاحب کے صاحب زادوں میں ایک صاحب جو سرہند تشریف لے جارہے تھے حضرت میرزا صاحب نے حضرت مجدّد الف ثانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلامِ نیاز بھیجا۔ انھوں نے بتلایا کہ جب حضرت کا سلام مزار مبارک پر پہنچایا تو حضرت مجدّد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سر مبارک سینے تک مزار مبارک سے اٹھاتے ہوئے نہایت خوشی اور اشتیاق کے ساتھ فرمایا کہ کون میرزا "دیوانہ و شیفتۂ من" "علیک علیہ السّلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ صاحب زادے نے فرمایا کہ مجھ کو کبھی شرف زیارت حضرت مجدد رضی اللہ عنہ کا نصیب نہیں ہوا تھا۔ آپ کے سلام پہنچانے کے توسّل سے یہ سعادت حاصل ہوئی۔ وہ صاحب زادے پہلے کی بہ نسبت حضرت میرزا صاحب کی تعظیم زیادہ کرنے لگے اور فرماتے تھے کہ آپ کو ہمارے جدّ امجد سے بے حد قربیت و منزلت حاصل ہے۔ حضرت میرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو صحیح کشف کرامت فرمایا ہے کہ سارا عالم ایک ناخون کی مثل مختصر نظر آتا ہے اور روئے زمین کے سارے احوال مجھ سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ شاہ صاحب نے فرمایا ہے کہ اس زمانہ میں میرزا جان جاناں کی مثال کی شخصیت کسی ملک میں نہیں ہے۔ جس کسی کو مقامات سلوک کی آرزو ہو۔ حضرت میرزا جان جاناں کی خدمت میں جائے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ کے بموجب اُن کے اصحاب برائے استفادہ رجوع ہوتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں حضرت میرزا مظہر جان جاناںؒ رحمۃ اللہ علیہ کے لئے جو اداب و القاب تحریر فرماتے ہیں ان سے آپ کی علو شان و اعلیٰ مراتب کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً مکتوب بنام میرزا صاحب "خدائے[1] عزوجل آں قیوم

---

[1] کلمات طیبات مکتوب اوّل از شاہ ولی اللہ شاہ محدث دہلوی صفحہ ۱۶۶

طریقہ احمدیہ و داعی سنتِ نبویہ را دیر گاہ داشتہ مسلمین را مُتمتّع و مستفید گر دانا دواز فقیر ولی اللہ عفی عنہ بعد سلام محبت مشام مکشوف ضمیر منیر باد"، مکتوب دوم بنام میرزا صاحب۔ "خدائے عزوجل آں قیوم طریقہ احمدیہ خصوصاً طریقہ صوفیہ عموماً و آں متجلی با نوع فضائل و فواضل را دیر گاہ سلامت داشتہ ابواب برکات بر کافہ انام مفتوح گر دا ناد۔"

مکتوب سوم بنام میرزا صاحب۔ "متع اللہ المسلمینؑ بافادات قیوم الطریقہ و روئے ریاض الطریقہ بتوجہات النفس الزکیہ آمین فقیر ولی اللہ سلام محبت مشام می رساند" حاجی محمد فاخر صاحب جو کہ اولی العظم علمائے حدیث میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میرزا صاحب "در متابعتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم شان عظیم دارند" چنانچہ شب دیدم کہ اسپ عراقی وساز و براق بر در رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم ایسادہ است پرسیدم کہ ایں اسپ از کیست کسے گفت کہ از رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم چوں از اندروں بر آمدم کسے گفت آں اسپ از میرزا جانِ جاناں است تعبیر خواب نمودم کہ طریقہ ایشاں اتباع سنتِ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلّم و برجادۂ صراط مستقیم قدمے راسخ دارند۔" مولوی ثناء اللہ سنبھلی در واقعہ از رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم استفسار نمودند کہ طریقہ پیر و مرشد عین حضرت میرزا صاحب در ترویج طریقت و تبلیغ احکام شریعت مقبول و محمود است فرمودند آرے وحضرت اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیز تصدیق ایں مقدمہ نمودند۔ حضرت حاجی محمد افضل می فرمودند کہ مرا در بارہ حضرت مرزا صاحب الہام شدہ است۔

ہذا رجل لہ شان عظیم ولا یقاس علیہ رجل آخر (ترجمہ) ایں مردیست کہ برائے او شان و بزرگی ہست و قیاس کردہ نشود بر احوال و دیگر را حضرت خواجہ میر درد فرماتے ہیں کہ میں حضرت میرزا صاحب کے مریدین میں سے جس کسی کو

لہ کلمات طیبات مکتوب اوّل از شاہ ولی اللہ شاہ محدث دہلوی صفحہ ۱۶۷

دیکھتا ہوں۔ میرے مریدین سے زیادہ بہرہ یاب ہیں۔ اور درجات وحالات ومقامات میں بہت فرق رکھتے ہیں۔ حضرت عبد العدل زبیری نے فرمایا ہے کہ طالبان خدا کا اجتماع جتنا حضرت میرزا صاحب کی صحبت میں اس وقت ہے دوسری کسی جگہ نہیں ہے اور اس وقت وہ حضرت امام ربّانی مجدّد الف ثانی کے نائب ہیں۔

علمائے عصر وصوفیائے زمان حضرت میرزا صاحب کی متصوفانہ خُداداد صلاحیتوں میں کس طرح رطب اللسّان ہیں یہ بات مذکورہ بیانات سے بخوبی روز روشن کی طرح سے واضح ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولوی قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد کی شان میں بجا تحریر فرمایا ہے۔

"قبلہ اہل کمال مخلص حضرتِ ذوالجلال قدوۂ اولیائے عصر خلاصۂ اصفیائے دہر در یگانہ بحار معنی گوہر شاہوار درگاہ سبحانی در علوم ظاہر مثل شمس اظہر و در حقائقِ باطن مثل جان ارفع واستر دو اسم مبارکش گواہند بریں مدعا شب و روزش دو شاہد بر کمال تقوی وائے تاویل متشابہات قرآنی وائے منبع سنت پیغمبری وائے مظہر انوار سروری مثنوی۔

اے مرا چوں مصطفیٰ من چون عمر | از برائے خدمتت بہندم کمر
اے لقائے تو جواب ہر سوال | مشکل از تو حل شود بے قیل وقال
ترجمانی ہر چہ مارا در دل است | دست گیرے ہر کہ پائش در گل است

تاقیامت گر بگویم ایں کلام
صد قیامت بگذرد ایں ناتمام

پیر مُرشد بر حق خداوند نعمت حبیب اللہ نائب رسول اللہ من اُعطی مکاناً علیاً ولم یجعل لہٗ مِن قبلُ سمیاً حضرت میرزا جان جاناں حنفی مذہباً ومجددی مشرباً شمس اللہ بن لقباً مد اللہ تعالیٰ ظلالِ جلالہ وقدسنا اللہ بہ برکتہ وافضالہ انتہی کلامہ الشریف منجمی کہ زائچہ طالعِ آنحضرتؐ برآوردہ بود وحی گفت کہ ایں زائچہ طالع پیغمبر خدا

صلی اللہ علیہ وسلم کہ منجمان استخراج نمودہ بودند دو بجوک دار دیعنی دوجا اختلاف
است و باقی ہمہ جا اتفاق - آپ کی شان ہیں کیا خوب کہا ہے -

لہ کوئی آج اس کی برابر نہیں
وہ سب کچھ ہے الا پیمبر نہیں لہ

اخلاق وعادات

حضرات صوفیا اقتدائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اور لوگوں سے زیادہ حصہ لئے ہوتے ہیں - پھر ایسے صوفی صافی اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عامل کے اخلاق وعادات کا کیا کہنا آپ سرتاپا اخلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں رنگے ہوئے تھے - آپ کی ہر ادا سے خلق محمدی مترشح تھا - آپ کی بلند اخلاقی کی بڑی مثال تو یہی ہے کہ آپ نے قاتل سے قصاص نہیں لیا اور جب بادشاہ وقت نے ملزمان کی سراغ رسانی کے لئے آپ سے استفسار فرمایا تو آپ نے فرمایا کہ میں خود بتلاؤں گا بھی نہیں اور اگر خدانخواستہ ملزمان کا پتہ چل جائے تو بھی ان کو سزا نہ دی جائے کیونکہ "بندہ کشتہ راہ خدا است وکشتہ را کشتن داخل جرم نیست" یعنی بندہ تو اللہ کے راستے میں مرا ہوا تھا ہی لہذا مرے ہوئے کو مارنا کوئی جرم نہیں ہے - آپ کی زندگانی کے گزارنے اور طرز معاش کا جو طریقہ تھا وہ بیان سے باہر ہے - باوجود اپنی نازک مزاجی اور مرزائیت کے آپ نے اس طریقہ پر زندگی بسر کی ہے کہ جو تحریر تقریر میں نہیں آسکتی ہے یہ بات آپ کی زندگی کے دیکھنے سے ہی تعلق رکھتی ہے - آپ نے خود اپنی

لہ معمولات مظہریہ از شاہ سید نعیم اللہ صفحہ ۶، ۷

اس حالت پر فرمایا ہے۔

"درجنوں ہم میرزائی ازمزاجِ مانہ رفت + کربرائے خویش حمامے زگلخن داشتیم"

بجائے سنگ طفلان پارہائے شیشہ بایدزد + چو مظہر میرزا دیوانہ نازک طبیعت را

درجائے سنگ شیشہ تواں برسرش زدن

طفلان دماغ مظہر دیوانہ نازک است

مظہر زما برید ودگر یاد ما نہ کرد

دیوانہ خوش نبود زوضعِ کرخت ما

صاحب مقامات مظہری حضرت سید شاہ غلام علی شاہ صاحب نے حضرت کے عادات واخلاق کے کچھ حالات ترغیب طالبان اور تحریص یاراں کے واسطے قلم بند کئے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت میرزا صاحب اس قدر متوکل تھے کہ آپ کے اہل وعیال کا ہونا، متعلقان کے مرض دائمی کا ہونا زمانہ میں فساد پھیلا ہونا شہر کا ویران ہونا کثرت اخراجات کا ہونا آپ کے سکون میں فرق نہیں ڈالتا تھا۔ باوجود ضعف پیری نہایت اطمینان اور کمال جمعیت خاطری سے اپنا وقت بسر فرماتے تھے اور ہمیشہ کھانا بازار سے خرید کر تناول فرماتے تھے۔ اتباع سنت کا پاس رکھنے کی وجہ سے دوہرا لباس نہیں رکھتے تھے۔ اور اغنیا کے گھروں کا کھانا تناول نہیں فرماتے تھے۔ اور اگر اتفاقاً اس میں سے ایک لقمہ بھی تناول فرماتے تو نسبت باطنی میں کدورت محسوس فرماتے تھے۔ جب تک فضلات بالکل دفع نہ ہوتے نسبت اپنی اصلی حالت پر نہیں آتی تھی۔ دعوات عامہ اور مجالس متعارفہ صوفیہ میں تشریف نہیں لے جاتے تھے۔ ہر ایک کی دعوت شبہ کے خوف سے قبول نہیں فرماتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ ہر چند اجابت دعوت سنت ہے۔ لیکن اس زمانہ میں لوگوں کی نیات کے فساد اور شرائط کے فقدان کی وجہ سے نہ قبول کرنا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں زیادہ تر لوگ تنگیٔ معاش میں گرفتار ہیں اور مقدور نہیں ہے معذور ہیں تو ایسی دعوت سے کیا حاصل ہوتا ہے۔ تکلف

کی وجہ سے سود کا روپیہ ضیافت کے لئے قرض لیتے ہیں پس ایسی دعوت کا غیر شرعی ہونا ظاہر ہے۔ فقیر نے ایسی دعوتوں کو اپنے تجربہ اور نور فراست سے معلوم کر کے منع کر دیا ہے۔ معتبر اور مخصوص گھروں کا کھانا تناول فرما لیتے تھے کیونکہ اس میں شک وشبہ کا احتمال نہیں ہوتا تھا۔ مستعار لئے ہوئے یا کرایہ کے مکان میں زندگی گزارتے رہے اور کوئی عمارت نہیں بنوائی فرماتے تھے کہ جب چھوڑنا ہی ہے تو اپنا اور بیگانہ مکان برابر ہے۔ دنیاداروں سے اختلاط و خلا ملا کم رکھتے تھے۔ اور ان سے نذر و نیاز قبول نہیں فرماتے تھے۔ ایک بار آصف جاہ نظام الملک نے تیس روپیہ نقد حضرت کی خدمت میں بطور نیاز پیش کئے اور قبولیت کے لئے بے حد منت وسماجت کی لیکن قبول نہیں ہوئے۔ اور فرمایا کہ فقیر کے نیاز کے قبول کرنے کی بہت سی شرائط ہیں۔

(۱) یہ کہ وہ شخص شریف و نجیب ہو۔ کہ فرماتے ہیں کہ میری تنخواہ نجبار و شرفا پر ہے۔

(۲) دنیاداروں سے صاحب نیاز کا اختلاط نہ ہو کیونکہ ان سے شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔

(۳) صالح اور پرہیزگار ہو۔

(۴) وہ جو کہ حرام و حلال کی شناخت رکھتا ہو۔

(۵) ایسے ملک سے تازہ وارد نہ ہوا ہو کہ جہاں لوٹ مار ہوتی ہو۔

(۶) اخلاص و عقیدت سے پیش کرتا ہو۔

ایسے اشخاص جو کہ یہ خیال کرتے تھے کہ اگر حضرت نے میری نیاز قبول فرمالی تو میرے اوپر بے حد احسان فرمایا ایسے اشخاص کی نیاز حضرت قبول فرما لیتے تھے۔ اور خود حضرت فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے مجھ کو ان باتوں کے سمجھنے کی فراست بخشی ہے کہ جس کی روشنی میں ایسی باریک و دقیق باتیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ حضرت فرماتے تھے کہ میں شقی اور سعید کو اس کی پیشانی سے

پہچان لیتا ہوں۔

خودداری و توکل

خودداری و توکل کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ محمد شاہ بادشاہ نے اپنے وزیر قمر الدین خاں کے ذریعہ خبر بھیجی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بادشاہت اور ملک عطا کیا ہے۔ جو کچھ دل میں آئے بطور ہدیہ کے قبول فرمائیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "فرمود ند اللہ تعالیٰ می فرماید" "قل متاع الدنیا قلیل" متاع ہفت[1] اقلیم کو قلیل فرمایا ہے۔ آپ کے پاس اس قلیل سے ساتواں حصہ ملک ہندوستان ہے۔ آپ کے پاس ہے ہی کیا کہ فقیروں کی نگاہ میں باعث قبول ہو۔ امیروں میں سے ایک امیر نے ایک حویلی بنوادی اور اس کو بطور خانقاہ مقرر کر دیا اور عرض کیا کہ اس میں اقامت فرمانے والے جملہ فقرار کے اخراجات بھی مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ حضرت نے قبول نہیں فرمایا۔ اور فرمایا کہ جب گزارنا ہی ہے تو اپنا اور بیگانہ مکان برابر ہے اور ہر ایک کی روزی اللہ کے علم میں مقرر ہے۔ اپنے وقت پر ضرور پہونچتی ہے۔ فقیروں کا خزانہ صبر و قناعت ہی کافی ہے۔ ایک دن سخت سردی کے زمانے میں دوش مبارک پر پرانی چادر ڈالے ہوئے تھے۔ نواب خاں فیروز جنگ وہاں حاضر تھے۔ یہ دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور اپنے ایک مصاحب سے کہا کہ ہم گنہگاروں کی کیسی بدبختی ہے کہ ہم لوگ اپنے بزرگوں کی خدمت و بندگی کو تیار ہیں لیکن تحفہ و نیاز قبول نہیں ہوتے ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ فقیر نے اس بات کا روزہ رکھ لیا ہے کہ اغنیار کی نیاز قبول نہ کروں۔ حالانکہ اب آفتاب غروب ہونے کے قریب ہے اگر اپنے روزے کو توڑ دوں تو دس لاکھ روپیہ کی ضرورت پڑے تاکہ ہمارے پڑوس کی عورتوں کی دیگ گرم ہو۔ نواب نظام الملک نے ہزار

---

[1] مقامات مظہری از غلام شاہ غلام علی صفحہ ۳۹ سطر اوّل

روپیہ بطور نیاز بھیجے قبول نہیں کئے گئے۔ نواب نے عرض کیا کہ اللہ کے راستے میں ضرورت مندوں کو تقسیم کر دیجئے۔ حضرت نے فرمایا میں تمہارا خانساماں نہیں ہوں۔ یہاں سے نکل کر تقسیم کرنا شروع کر دو جب تک گھر پہونچو گے تقسیم ہو جاویں گے۔ افغان سرداروں میں سے ایک نے حضرت کی خدمت میں تین سو اشرفیاں پیش کیں۔ قبول نہیں ہوئیں۔ کسی امیر نے آموں کا ہدیہ حضرت کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت نے واپس کر دیا امیر نے دوبارہ ساتھ بے حد منّت والحاح کے ہدیۂ آم بھیجا حضرت نے دو آم لے کر بقیہ سب پھر واپس کر دیئے اور فرمایا فقیر کا دل اس ہدیہ کے قبول کرنے سے منع کرتا ہے۔ اسی اثناء میں باغبان حضرت کی خدمت میں فریاد لے کر آگیا اور عرض کیا کہ فلاں امیر نے میرے آم زبر دستی توڑے ہیں۔ اور اس میں سے تھوڑے حضرت کی خدمت میں روانہ کئے ہیں۔ حضرت نے اس مظلوم کی حمایت کی۔ فرماتے ہیں کہ فقیر اپنے دوستوں میں سے ناامید نہیں ہوتا ہے مگر دو وجوہات سے ایک کہ دنیا داروں سے اختلاط رکھے۔ دوسرا اپنے بزرگوں سے بدعقیدہ ہو۔ لیکن حسب ضرورت اختلاط میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ باوجود ان سب باتوں کے فرمایا کرتے تھے۔ کہ دنیا مبغوضۂ حق ہے۔ جب سے ظہور میں آئی ہے اس نے کبھی اس کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھا ہے۔ اگر اللہ کی نگاہ میں اس کی (دنیا) کی کچھ قدر و قیمت ہوتی تو کفار و مشرکین کو ایک مچھر کے پر کے برابر بھی اس میں سے نہ دیا جاتا۔ بلکہ پوری کی پوری مسلمانوں کے حصے میں خوانِ یغما ہوتی۔ خدا کا شکر ہے کہ دنیا دار آج کل فقیروں کی طرف نگاہ نہیں کرتے ہیں۔ لیکن ان کو نہ یہ فراغت رہے گی اور نہ یہ حالت رہے گی۔

لطافت طبع

پانی کی پاکی اور اسباغ وضو نہایت احتیاط سے فرمایا کرتے تھے اور نماز اوقات مستحب میں ادا فرماتے تھے۔ اور جمعہ و جماعت کی نماز نہایت اہتمام کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔ اپنے دوستوں کو بھی نماز کی پابندی کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ جو کوئی اس میں سستی کرتا اس سے

سختی سے پیش آتے تھے۔ خلوت کو زیادہ پسند فرمایا کرتے تھے۔ اپنے پیران و بزرگان کی محبت میں پہاڑ کی طرح مضبوط و استوار تھے۔ حضرت مجددؒ الف ثانی رضی اللہ عنہ سے بے حد محبت و عشق رکھتے تھے۔ حضرت میرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جس جگہ اپنے قدوم رکھے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس جگہ اپنا سر رکھا ہے۔ اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے جس جگہ اپنے قدوم رکھے ہیں وہاں حضرت مجدد رضی اللہ عنہ اپنا سر رکھا ہے اور حضرت مجددؒ رضی اللہ عنہ نے جہاں اپنے قدم رکھے ہیں۔ فقیر نے اس جگہ اپنا سر رکھا ہے۔ یعنی فقیر اپنے بزرگوں کے بالکل نقش قدم پر ہے اور ذرہ برابر تصرف نہیں کیا ہے۔ مگر دو جگہ پر ایک یہ کہ توجہ کے وقت گو نہ بدن حرکت کرتا ہے۔ اور دوم سانسوں کو شمار کر کے توجہ دیتا ہوں۔ اور یہ بھی اپنے بعض اکابر سے اخذ کیا ہے کہ حرکت کے اثر سے توجہ لینے والے کے قلب میں توجہ کا اثر جلدی ہوتا ہے۔ اور سانسوں کے شمار سے مریدین میں توجہ کی مساوات ہو جاتی ہے۔ اور اس عمل سے طالبان حق کی استعداد کا پتہ بھی چلتا ہے۔ حضرت مزارات متبرکہ کی زیارت کو تشریف لے جاتے تھے۔ بیماروں کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ عقیدہ سنت والجماعت کا رکھتے تھے۔ اکثر شیعہ آپ کے فیض سے اہلِ سنت کے مذہب سے مشرف ہوئے ہیں۔ اسی لئے آپ کا لقب سنت تراش مشہور ہو گیا تھا۔ سب کو نیکی سے یاد فرماتے تھے۔ بالخصوص صحابہ کرام و اولیائے عظام و اہلبیت مرحومہ کو سوائے تعظیم و تکریم کے یاد نہیں کرتے تھے ذوق سماع نہیں رکھتے تھے۔ جیسا کہ ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے۔ "الحمد للہ فقیر از سماع غیر مباح تائب و سماع مباح را تارک و در عقیدۂ اباحت وغیرہ تابع کتاب و سنت است"۔[1]

---

[1] کلمات طیبات مکتوب ۱۲ - از حضرت میرزا مظہر جان جاناں۔

زندگی سنت کے طریقہ کے مطابق بسر فرماتے تھے اور اپنے دوستوں اور مریدوں کو بھی اس کی طرف ترغیب و تحریص دلاتے تھے۔ ہر ایک کو محبت و شفقت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ہر شخص سے خندہ روئی اور کشادہ پیشانی سے ملتے تھے۔ بات نرمی سے کرتے تھے کسی پر اعتراض نہ کرتے تھے۔ معذرت چاہنے والوں کو معاف کر دیتے تھے لوگوں کے مزخرفات کو تحمل سے سن لیتے تھے۔ مرے ہوؤں کو نیکی سے یاد فرماتے تھے۔ کبھی کسی کی غیبت نہ کرتے تھے اور نہ غیبت کرنے والوں کو اچھی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ بہت سخی اور فیاض تھے جو ان کے عیوب ان پر ظاہر کرتا تھا اس سے ناراض نہ ہوتے تھے اس کا شکریہ ادا کرتے تھے آپ کے دیوان میں اس طرح کا حسب ذیل شعر موجود ہے۔

عیب بیناں واقف از نقصان خویشم کردہ اند
ہم چو عینک ساخت چشم دیگراں بینا مرا

ہر ایک آدمی سے ہمیشہ خندہ پیشانی اور کشادہ روئی سے ملتے تھے۔

کسی نے محمد بن سالم سے دریافت کیا تھا۔

بِمَا یُعْرَفُ الْاَوْلِیَاءُ فِی الْخَلْقِ قَالَ بِکَفِّ لِسَانِہِمْ وَحُسْنِ اَخْلَاقِہِمْ وَبَشَاشَۃِ وُجُوْہِہِمْ وَسَخَاوَۃِ اَنْفُسِہِمْ وَقِلَّۃِ اِعْتِرَاضِہِمْ وَقَبُوْلِ عُذْرِہِمْ مَنْ مُعْتَذِرٍ اِلَیْہِمْ وَتَمَامِ الشَّفَقَۃِ عَلٰی جَمِیْعِ الْخَلْقِ بَرِّہِمْ وَفَاجِرِہِمْ ترجمہ:۔ اولیاء اللہ کا خلق کس چیز سے شناخت کیا جا سکتا ہے فرمایا ان کی زبان کے باز رکھنے سے یعنی کسی کو برا نہ کہتے ہوں۔ ان کے اخلاق کی خوبی سے وکشادہ روئی سے ان کی ذات میں سخاوت ہو۔ کسی پر اعتراض کم کرتے ہوں۔ عذر کرنے والے کا عذر قبول کرتے ہوں۔ تمام مخلوق پر مکمل شفقت کرتے ہوں۔ خواہ پرہیزگار ہو خواہ بدکار۔ آپ کی انکساری کا یہ عالم تھا کہ اپنے مرید حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے پائے پوش کو اپنے دست مبارک سے

لہ معمولات مظہری صفحہ ۱۳۱ ۔

درست کیا۔ خدمت خلق کا یہ عالم تھا کہ اپنے خطوط میں بندگان خدا و خلق خدا کی تکالیف کا احساس ظاہر فرمایا ہے۔ "جس دن سے نجف خاں آیا ہے اس شہر میں فقیر سے لے کر بادشاہ تک ہر شخص کی حالت خراب ہے۔[1]" آپ کی نفاست و نزاکت کا یہ عالم تھا کہ اگر چارپائی میں ذراسی کان ہوتی تو آپ کو رات بھر اس چارپائی پر نیند نہیں آتی تھی نواب کے صراحی پر گلاس تیڑھا رکھنے سے آپ کے سر میں درد ہونے لگا۔ غلط کام دیکھ کر آپ کو تکلیف ہوتی تھی۔

بابِ دوئم

(۲) میرزا صاحب کا اپنے زمانے کے سیاسی حالات سے متاثر ہونا

حضرت میرزا مظہر جان جاناں کا عہد سلطنت مغلیہ کے عین زوال و انحطاط کا زمانہ ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ سلطنت مغلیہ برائے نام رہ گئی تھی غریبی اور تنگ دستی کا دور دورہ تھا۔ جان و مال و عزت و آبرو کچھ بھی تو محفوظ و مامون نہ تھا۔ رعایا سے لے کر بادشاہ تک ہر شخص پریشان تھا۔ ویرانی و پریشانی کا یہ عالم تھا کہ دلّی جیسے شہر سے لوگ اپنی جان لے کر ادھر ادھر بھاگنے لگے تھے۔ بقولِ شاعر

---

[1] کلمات طیبات مکتوب ۳۴

اب شہر ہر طرف سے میدان ہوگیا ہے
پھیلا تھا اس طرح کا کا ہے کو یاں خرابہ

یہ زمانہ شاہ عالم ثانی کی بادشاہت کا زمانہ تھا۔ یہی وہ زمانہ ہے کہ جس کا حضرت میرزا صاحب کے عہد زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ حالات اتنے ناگفتہ بہ ہو چکے تھے کہ باوجود کوشش و جہد بلیغ کے حالات و معاملات کو قابو میں لانا بادشاہ کی قوت و تدبیر سے باہر ہو گیا تھا۔ خزانہ خالی تھا۔ محلات کے ساز و سامان و شاہی خزانہ جات ختم ہو چکے تھے۔ فوجیوں کی تنخواہیں کئی ماہ کی باقی تھیں خزانہ میں روپیہ نہ تھا جو تنخواہیں ادا کی جاتی۔ بادشاہ کے گرد و پیش دشمنوں کا ہجوم تھا۔ غریبوں پر ظلم و ستم ہو رہے تھے مسافر اور راہ گیر لوٹے جاتے تھے اور ان کی درد بھری آوازیں اور پکاریں سننے والا کوئی نہ تھا۔ سیاسی انتشار و شورش کا اثر پورے ملک پر پڑا ہوا تھا۔ صوبے خود مختار ہو گئے تھے۔ جاٹوں مرہٹوں اور سکھوں نے زور پکڑ رکھا تھا۔ لوٹ مار سے تباہ کاریاں پھیلی ہوئی تھیں۔ شاہی خاندان سے لے کر رعایا تک معاشی بدحالی میں مبتلا تھے اس زمانہ کے لئے سودا نے شہر آشوب[۱] کے طور پر حسب ذیل اشعار قلم بند کئے ہیں

شہر آشوب

سخن جو شہر کی ویرانی سے کروں آغاز — تو اس کو سن کریں ہوش چغد کے پرواز
نہیں وہ گھر نہیں جس میں شغال کی آواز — کوئی جو شام کو مسجد میں جائے بہر نماز
تو واں چراغ نہیں ہے بجز چراغ غول

---

[۱] دیوان سودا صفحہ ۲۴۰ سے ۲۴۶ تک شہر آشوب۔

دیا بھی واں نہیں روشن تھی جس جگہ فانوس | پڑے ہیں کھنڈروں میں آئینہ خانوں کے ناموس
کروڑوں دل تھے پُر امید ہو گئے مایوس | گھروں سے یوں نجبار کے نکل گئی ناموس
ملی نہ ڈولی انھیں تھے جو صاحب چنڈول

نجیب زادیوں کا ان دنوں ہے یہ معمول | وہ برقع سر پہ ہے جس کا قدم تلک ہے طول
ہے ان کی گود میں لڑکا گلاب کا سا پھول | اور ان کے حسن طلب کا ہر ایک سے یہ اصول
کہ خاک پاک کی تسبیح ہے جو لیجئے مول

بس اب خموش ہو سوداؔ کہ آگے تاب نہیں | وہ دل نہیں کہ اب اس غم سے جو کباب نہیں
کسی کی چشم نہ ہو گی کہ وہ پر آب نہیں | سوائے اس کے تری بات کا جواب نہیں
کہ یہ زمانہ ہے اک طرح کا زیادہ نہ بول

جب ملک وشہر اور سلطنت کے یہ مذکورہ حالات ہوں تو ایک صوفی صافی نازک دل و نازک مزاج شخصیت پر واقعات کا اثر نہ ہو غیر ممکن ہے۔ آپ کی کشفی حالت کی یہ کیفیت تھی کہ آپ نے خود تحریر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو وہ علم کشفی عطا کیا ہے کہ ساری دنیا کے حالات مجھ پر روشن کر دیئے ہیں۔ اور ساری دنیا کو اللہ نے میرے قلب کے سامنے ایک ناخون کے اختصار کے برابر مختصر کر دیا ہے۔ پھر بھلا کیسے ایسے بزرگ اور ایسے صوفی اپنے ملک اور ملک کے سیاسی و معاشی حالات سے بے خبر رہ سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنے ایک مکتوب میں تحر فرمایا ہے۔

ـہ دیوان سودا صفحہ ۲۴۶ از سید مطلب حسین بی۔ اے عالی لکھنوی

مکتوب ہفتادم بنام شہزادہ غلام عسکری خاں محمدی

ترجمہ مکتوب - یہاں نواب اور جاٹ کی نجیب خاں سے صلح کا شور مچا ہوا ہے اور دونوں طرف کے معتبر راز داروں سے جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اپنی مصلحت کی وجہ سے جاٹ راجہ بہادر سنگھ اور دلیر سنگھ کے توسط سے روہیلوں سے دوستی کرتا ہے اور نواب کا ذکر تو برائے نام ہے کیونکہ اس نے (نواب نے) خواہ واقعی بے سروسامانی کی وجہ سے اور خواہ کفایت شعاری کی وجہ سے لوگوں کو خود سے جدا کر دیا ہے - اور نظروں میں ذلیل ہو گیا - بدمعاملگی کی وجہ سے کسی کو نواب پر اعتماد نہیں رہا اور دوسرے یہ کہ لوگ کیوں نواب کی طرف آئیں وہ اپنے اغراض کو مقدم رکھتا ہے - آج کل کسی پر اعتماد نہیں ہے - کہ عزیزوں کے خلاف کچھ لکھوں - اتنا بھی پریشان ہو کر لکھا ہے - شہر کے حال سے لے کر محل کی خبروں تک فقیروں سے کچھ نہیں چھپا اور جو کچھ حقیقت ہے فقیر تک پہنچ جاتی ہے - ہر چند میں نے کئی بار اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نواب جو کچھ کرنا چاہے مجھے بتا دے لیکن اس نے ایسا نہیں کیا - ورنہ میں ایسی بنیاد رکھتا کہ لوگ دیکھتے رہ جاتے مشکل یہ ہے کہ نواب کے تمام مشورہ دینے والے لالچی اور خود غرض ہیں اور اکثر نیچ قوم سے ہیں - اور جو شریفوں میں سے ہیں - وہ منافق ہیں - اس تمام جھگڑے کی جڑ آقا کی بے اعتمادی ہے - کیونکہ نہ تو اس کی نیکی سے یقین کی حد تک امید ہے اور نہ اس کے شر سے کوئی خوف ہم ظلم کی کہاں فریاد کریں - چونکہ تم آشنا اور آشنا زادے ہو - اس لئے یہ دلسوزی کی ورنہ مجھے دنیا اور اہل دنیا سے کیا کام شہر کے درویش بھی نواب سے خوش نہیں ہیں -

---

۱؎ کلمات طیبات صفحہ ۶۲

نواب نے جن کو بہت مال و دولت دی ہے وہ مخالفوں سے مل کر نواب کے دشمن ہو گئے ہیں اور جن درویشوں کو اس سے فائدہ نہیں پہنچا وہ کیوں خواہ مخواہ دل کو جلائیں۔ اور کیوں اضطراب قلبی سے توجہ اور دعا کریں کہ قبول ہو۔ نواب ہر کافر اور مومن فقیر سے رجوع کرتا ہے اور خود کو ایک یادو کے دامن سے نہیں باندھتا کہ پھر بات اس فقیر کے ذمہ پڑے لوگ اس کے عہد میں پریشانیاں اٹھاتے ہیں۔ دیکھئے کیا ہو۔ خدا انصاف کرے۔ ظالموں پر قہر اور مظلوموں پر رحم کرے۔ والسّلام۔

اس مکتوب گرامی سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت میرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی سے شہر کے حال سے لے کر محل کی خبروں تک کوئی واقعہ چھپا ہوا نہیں تھا۔ جیسا کہ حضرت نے اپنے اس مکتوب میں اپنی ہی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا ہے۔

"احوال شہر تا اخبار محل از فقیر پنہان نمی ماند و آنچہ واقعی است بہ فقیر می رسد"

اسی خط میں حضرت فرماتے ہیں کہ آج کل کسی پر اعتماد نہیں ہے کہ عزیزوں کے خلاف کچھ لکھوں اتنا بھی پریشان ہو کر لکھا ہے۔ یعنی عجیب و غریب حالات تھے۔ کسی کی بات پر کوئی بھروسہ نہیں ہوتا تھا کیونکہ ایسا وقت آگیا تھا کہ لوگ دھوکہ دہی کرتے تھے اور اپنے مطلب و غرض کے لئے کبھی کسی سے اور کبھی سے سے مل جاتے تھے اسی لئے وہ قابل اعتماد نہ تھے۔ بادشاہ، نوابین اور امراء اور روساء میں سے زیادہ تر اور بالخصوص روہیلہ حکامان وغیرہ خانقاہ مظہریہ اور حضرت میرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ تھے یعنی مرید تھے۔ اور جو مرید نہیں تھے وہ عقیدت رکھتے تھے اور اپنے مقاصد برآری اور بزرگوں سے دعاؤں کے لئے طلبگار رہتے تھے۔ اہل سلسلہ حضرت کی خدمت میں ہر طرح کے حالات لکھتے تھے اور اپنی پریشانیوں کے لئے دعاؤں کے طلبگار ہوتے تھے۔ اسی لئے حضرت کو سیاسی معاملات میں غور و خوض کرنا پڑتا تھا ورنہ فقیروں کو سیاست

سے کیا مطلب تھا۔ جیسا کہ ارشاد گرامی ہے ۔

"ہر چند مکرر ایماؤ اشارات کردم کہ نواب از تدبیر خود مرا نشاں بدہند نداد ند وگر نہ بنائے می گذاشتم کہ یاراں تماشاہی کردند" یعنی "ہر چند میں نے کئی بار اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نواب جو کچھ کرنا چاہے مجھے بتادے اس نے ایسا نہیں کیا۔"

اپنے ہی عزیز و آشنا۔ لوگوں کی وجہ سے حضرت میرزا صاحب کو حالات اور واقعات ایسے لکھنے پڑتے تھے کہ جو اس زمانہ کے حالات کے پیش نظر نہیں لکھنا چاہیئے تھے مگر حضرت میرزا صاحب اپنوں کی وجہ سے مجبور ہو کر لکھتے تھے۔ جیسا کہ تحریر فرماتے ہیں "اس تمام جھگڑے کی جڑ آقا کی بے اعتمادی ہے کیونکہ نہ تو اس کی نیکی سے یقین کی حد تک امید ہے اور نہ اس کے شر سے کوئی خوف ہم ظلم کی کہاں فریاد کریں۔ چونکہ تم آشنا اور آشنا زادے ہو اس لئے یہ دلسوزی کی ورنہ مجھے دنیا اور اہل دنیا سے کیا کام ۔

فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے اولیا کو کوئی خوف وغم نہیں ہوتا ہے لہذا ایسے مفسدانہ زمانہ میں اپنے اطمینان اور سکون قلبی کی بابتہ اپنے مکتوب نمبر ۲۴ جو کہ بنام[1] میر مسلمان ہے تحریر فرماتے ہیں ۔

"خدا کا شکر ہے کہ تمام توکل و تاہل متعلقان کے مرض کے دائمی اور ویران شہر و فساد زماں کے ساتھ بڑے اطمیناں سے بسر ہوتی ہے"۔

اپنے مرید مولوی ثناء اللہ سنبھلی کو پرآشوب زمانہ کی پریشانیوں کی بابتہ اور کفار مرہٹوں کے حملوں اور شر سے محفوظ رکھنے کے لئے اطمینان دلاتے ہوئے مکتوب نمبر ۲۸ میں اس طرح سے تحریر فرما رہے ہیں ۔

"خاطر جمع رکھئے تعلیم طریقہ اور درس کتب میں پابندی سے مشغول رہیئے۔

---

[1] کلمات طیبات ۔ مکتوب ۲۴ ۔

ہمارے طریقے کے بزرگوں اور حضرت مجددؒ رضی اللہ عنہ کے ختم کو ہر روز حلقہ کے بعد لازمی طور پر پڑھئے۔ خدا سے امیدوار اور اس کے علاوہ ہر ایک سے ناامید ہو جائیے۔ کفار مرہٹوں کے ہنگاموں سے مت ڈریے انشاء اللہ دوستوں کو نقصان نہیں پہونچے گا ان مصیبتوں کو دور کرنے کے لئے جتنی دفعہ سورۂ لایلاف پڑھ سکتے ہوں پڑھئے اور کفار کے لشکر پر اسلام کی فتح کے لئے دعا اور صرف ہمت واجب ہے غافل نہ رہنا"۔

اپنے اسی مکتوب میں اس زمانہ کے مسلمانوں اور اہلِ حکومت کی طرف اشارہ اسی مکتوب میں فرماتے ہیں کیونکہ اس وقت کے مسلمانوں کے اعمال وحالات سے مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ خوش نہ تھے۔ کیونکہ واقعی وہ صحیح اسلامی اصولوں پر قائم نہیں تھے۔ پھر بھی اسلام کی حمایت کی وجہ سے فتح ونصرت کے لئے دعاؤں کے کرنے کی تلقین فرماتے ہیں۔ مثلاً "اور کفار کے لشکر پر اسلام کی فتح کے لئے دعا اور صرف ہمت واجب ہے غافل نہ رہنا اگرچہ اس قوم کے مسلمانوں کا حال معلوم ہے لیکن اسلام کا حق تمام امور میں مقدم ہے"۔

کفار سکھ کی غداری اور فسادات پھیلانے اور لوٹ مار کرنے کے واقعات کا صحیح اور سچا نقشہ آپ کے خطوط میں ملتا ہے ان کے قتل وغارت گری کے حالات واضح ہوتے ہیں۔ حضرت اپنے مکتوب نمبر ۳۱ میں مولوی ثناء اللہ سنبھلی کو تحریر فرماتے ہیں۔

"اس زمانے میں دل کو ایک سخت صدمہ پہنچا۔ پچھلے مہینے کفار سکھ تھانیسر کے قلعے پر قابض ہو گئے اور انھوں نے خوب قتل وغارت کیا۔ مولوی قلندر بخش جیو سلمہ بہ مع بیوی اور بچے کے لٹ لٹا کر اور جانیں بچا کر نکل آئے۔ عجیب کیفیت ہوئی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" بالکل ہی بے سروسامانی کی وجہ سے اس (تھانیسر) کے نواح میں مقیم ہیں اور ہم تک نہیں پہونچے۔ اس مصیبت کے علاوہ شرم کی بات یہ ہے کہ خصوصیت کے باوجود ہم ان کی کوئی مدد نہیں کر سکے۔

کیونکہ بے استطاعت ہیں۔ خدا اس کی تلافی کرے"۔

بھلا غور کا مقام ہے کہ اس فتنہ و فساد کے زمانہ میں جب حضرت میرزا صاحب کے خاص عزیزوں اور دوستوں پر پریشانیاں آئیں اور آپ متاثر نہ ہوں غیر ممکن۔ صوفیا جو ساری دنیا کا غم رکھتے ہیں اپنے خاص اعزا سے کیسے غافل ہو سکتے ہیں۔ کفار سکھوں کے ظلم و تشدد کا واقعہ آپ نے کس غم اور اپنی مجبوری کا کس طرح سے تذکرہ کیا ہے۔ بادشاہ کا وزیر نجف خاں شیعہ تھا۔ سنّیوں سے سخت دشمنی رکھتا تھا۔ اس کا رویہ اور طرز حکومت ظالمانہ تھا ہر شخص اس کی حکومت سے پریشان تھا۔ سنی علماء پر اس کی وجہ سے ظلم بھی ہوئے تھے۔ انھیں واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت میرزا صاحب اپنے مکتوب نمبر ۳۴ میں بنام میاں محمد قاسم میں اس وقت اور نجف خاں کے ظلم و ستم کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے لکھ رہے ہیں۔

"جس دن سے نجف خاں آیا ہے اس میں فقیر سے لے کر بادشاہ تک ہر شخص کی حالت خراب ہے۔ ہر خاص و عام کی زبان پر مجد الدولہ کی رہائی کا ذکر ہے۔ خدا جلد ہی کچھ کر دے گا"۔

اس زمانہ کی مکروہات اور پریشانیوں سے بچنے کے لئے اپنے عزیزوں اور معتقدین کو دعا و اعمال کی تلقین فرماتے ہیں۔ جیسا کہ مذکورہ مکتوب میں تحریر ہے۔

"جب کبھی اپنے آقا کے سامنے جاؤ" تو تین بار "یا مقلب القلوب والابصار" اور شروع و آخر میں ایک بار درود پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر پھونکو اور دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر پھیر لو پھر سامنے جاؤ۔ سورۂ لایلاف بسم اللہ کے ساتھ ہر روز ایک سو بار اول و آخر پانچ بار درود پڑھو تاکہ دشمن کے شر سے محفوظ رہو انشاء اللہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہونچے گا۔

انھیں میاں محمد قاسم کے نام مکتوب نمبر ۳۵ میں ان کے پھر پریشانیوں

سے بھرے خط کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔
"تمہارے پریشانیوں سے بھرے خطوط نے پریشان کر دیا میرے بھائی مکرر لکھ چکا ہوں کہ فقیر تمہارے لئے دعائے خیر میں کبھی تقصیر نہیں کرتا۔ تاثیر وقت آنے پر ہوتی ہے۔ یہ تمام ضعف اور کمزوری جس کا تم ہر خط میں ذکر کرتے ہو مجھے پریشان کر دیتی ہے۔ کیونکہ میں شدید خفقان کا مریض ہوں۔ دفع شر کے لئے سورۂ لایلاف سے بہتر کوئی نسخہ نہیں ہے سورۂ لایلاف اور دعائے حزب البحر پڑھو۔ مولوی نعیم اللہ صاحب اور فقیر دعا کرتے رہتے ہیں۔ انھیں دعاؤں کی وجہ سے تم اب تک شر مردم سے محفوظ ہو۔ اس کے بعد بھی حفظ و امان کی توقع رکھو۔

اپنے عزیزوں کو اچھی بری باتوں سے آگاہی فرماتے رہتے ہیں۔ وہ ایک مکتوب نمبر ۱۳ [1] میں نواب ارشاد علی خاں سنبھلی کو تحریر فرماتے ہیں۔ "تم نے موجودہ بادشاہ سے جو توسل کیا ہے اس کا انجام اچھا نہیں ہے۔ ان دنیاداروں کا مفصل حال ہم کور باطنوں کو کیسے معلوم ہے اور اگر معلوم ہو تو اس کا لکھنا موجب فساد ہے اتنا بھی کبھی تمہاری خاطر لکھ دیتا ہوں۔

صاف ظاہر ہے کہ اپنے عزیزوں اور اہل سلسلہ کو ان کی پریشانیوں کی وجہ سے بعض معاملات سیاسی کے متعلق محض ان کی پریشانی دور کرنے کے لئے تحریر فرما دیتے ہیں۔ ایک مکتوب ۴۶ میں جو مولوی قطب شاہجہانپوری کو تحریر کیا ہے اس سے اس زمانہ کے مرہٹوں کے ظلم و غارت گری کا پتہ چلتا ہے۔
"خدا کا شکر ہے اور امید قوی ہے کہ خدا نے ہمارے تمام دوستوں اور اس شہر کے لوگوں کو مصیبت سے محفوظ رکھا ہے۔ سورۂ لایلاف کی تلاوت صبح و شام کیا کریں۔ اس علاقہ پر مرہٹوں کے قبضے۔ قوم روہیلہ کا فرار اور قصبات و دیہات

---

[1] کلمات طیبات ۔ صفحہ ۵۰

کے تاخت و تاراج ہونے کے متعلق کیا لکھوں اس کی تفصیل عزیزوں کے خطوط سے معلوم ہو گی۔"

مکتوب نمبر ۵ بنام ملا محمد یار میں کافران سکھ کے ظلم و تشدد اور غارتگری کا حال تحریر فرماتے ہیں۔

"باعثِ تحریر یہ ہے کہ کافران سکھ (خدا انھیں ذلیل کرے) کے ظلم و ستم سے سرہند کا متبرک شہر ویران ہو گیا ہے۔ اور بزرگوں کے مزارات شہید ہو گئے ہیں۔ اور صاحب زادے شہر شہر آوارہ پھر رہے ہیں۔[۱]

ایک مکتوب نمبر ۴۸ بنام میر پیر علی ہے دہلی کی فضا خراب ہونے والی ہے اس لئے آگاہی فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔[۲]

"ہر طرف سے فتنہ و فساد دہلی کی طرف قصد کر رہا ہے[۳]"

ایک مکتوب نمبر ۶۱ میں نواب انتظام الدولہ کو بزرگوں اور فقیروں کے آداب کی تلقین فرماتے ہیں۔ کیونکہ ان دنیاداروں کو فقراء کے دربار کے آداب اگر حضرت نہ سکھاتے تو اور کہاں سے سیکھ سکتے۔ "اس دنیا کے امیروں کو اس جہاں کے بادشاہوں یعنی فقیروں کے سامنے باادب رہنا چاہئے۔ خاص طور پر اس وقت جب امداد و اعانت چاہیں۔ تاکہ فقیروں کا دل ملتفت ہو ایسے اوقات میں بے پروائی کرنا اور مقاصد کی تحریر کو بے ادبی سے پیش کرنا نقصان دہ ہے۔ اگر

---

۱ و ۲ جملہ مکتوبات کلمات طیبات سے ہیں۔ یہاں ترجمہ درج ہے۔

۳ جملہ مکتوبات کلمات طیبات سے ہیں۔ یہاں ترجمہ درج ہے۔

حُسنِ ظن درمیان ہے تو ادب واجب ہے اور اگر نہیں ہے تو پھر ان کی خدمت میں حاضر ہونا اور توبہ تِلّا کرنا کیا ضروری ہے انھیں باتوں کے خوف سے میں نے ملاقات اور خط وکتابت ترک کر رکھی ہے اس مکتوب سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ نواب لوگ اور صاحب حکومت حضرت کے پاس اپنی پریشانیوں کو دور کروانے کے لئے دعاؤں اور توجہات کے لئے ملتجی ہوتے تھے۔ اور اس امر میں حضرت کی خدمت میں حاضری دینے کے لئے مجبور ہوتے تھے۔

مکتوب نمبر ۶۹ میں بنام صاحب زادہ غلام عسکری خاں محمدی کو اپنے بہترین اور عمدہ سیاسی مشوروں سے سرفراز فرما رہے ہیں۔ "طاقتور دشمن کا مقابلہ درپیش ہے۔ حصول مقصد کے ساتھ جان اور آبرو کی حفاظت بھی منظور ہے۔ ایسے وقت میں روپیہ پیسہ خرچ کئے بغیر نئے رفیقوں سے جانفشانی کی توقع کرنا عقل سے دور بات ہے۔ اگر خزانے میں روپیہ زیادہ نہ ہو تو مقدور بھر اور ضرورت کے مطابق لوگوں کو روپیہ دینا چاہئے کیونکہ نواب کی رفاقت آخرت کے لئے تو ہے نہیں لوگوں کے فائدے کے خیال سے ہٹ کر مصائب دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

مکتوب نمبر ۷۱۔ بنام صاحب زادہ غلام عسکری خاں محمدی میں۔ احمد شاہ ابدالی کے حملے کی بابتہ اشارات تحریر فرماتے ہیں۔ کہ وہ اس وقت کیا کر رہا ہے۔ اس کا لڑکا کس انتظام میں لگایا گیا ہے۔ دلی کو اس کی طرف سے فی الحال خطرات نہیں۔ اس کا پروگرام کس طرف سے کس طرف کو ہوگا۔ دہلی کے لوگوں کو اپنے اعزار کے خطوط لکھ کر تسلی اور تشفی دیتے ہیں۔ اس مکتوب سے حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ کی کشفی کیفیت پر روشنی پڑتی ہے اور آپ کی واقفیت کا پتہ چلتا ہے کہ سیاسی حالات سے آپ کو کس قدر واقفیت حاصل تھی۔ یہ امور اس مکتوب کے پڑھنے سے واضح ہوتے ہیں۔ پورے مکتوب کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

۱۷۔ مکتوب بنام صاحب زادہ غلام عسکری خاں محمدی

"شاہ ابدالی نے پیشاور میں قیام کیا ہے اور اپنے بڑے لڑکے تیمور میرزا کو بہت بڑی فوج کے ساتھ ممالک خراسان کے بند وبست کو رخصت کیا ہے۔ پنجاب اور ملتان دونوں ممالک میں آج کل نظم ونسق نہیں ہے۔ ابدالی کو ان کی اصلاح کا خیال ہے۔ اور امکان غالب یہ ہے کہ اس کام کو اپنی فوجوں کے ذریعہ کرے اور اگر اس کی ضرورت پڑی کہ وہ خود سفر کرے تو وہ لاہور اور ملتان تک پہنچ جائے گا۔ آخر اس کا ملک ہے۔ وہ ہندوستان آنے کا ارادہ نہیں رکھتا ہے۔ اس نے جدید فوج فراہم نہیں کی ہے۔ صرف قدیم فوج ساتھ ہے۔ اہل دہلی فرار کے عادی ہیں۔ بے اختیار ہو کر گھبرا جاتے ہیں اور یہاں مزاحمت بہت ہے۔ یہی مناسب ہے کہ یہ فتنہ لاہور سے دہلی کا قصد نہ کرے۔ ہماری اور تمہاری آبرو ایک ہی ہے۔ کہیں بھاگ نہیں سکتے۔ ہم نے اس آئت پر عمل کیا ہے۔ کہ ففروا الی اللہ (اللہ کی طرف بھاگو) فی الحال متعلقین کو بھرت پور لے جانا اچھا ہے۔ لیکن آئندہ کے لئے ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ آخر میں یہ فتنہ اس علاقہ میں جاتا ہوا معلوم ہوتا ہے مجھ کو سواد کو معتبر معتمدوں سے یہی معلوم ہوا ہے۔ کمال ہے کہ تمام معاملات سیاسی کی خبر ظاہر فرمادی اور عاجزی یہ کہ اپنے کو سواد تحریر فرمارہے ہیں۔

مکتوب نمبر ۸۶ بنام حکیم محمد فاروق میں دہلی کی بیماری اور بدامنی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ گویا قہر خدا پھیلا ہوا ہے لہذا دعا کے طور پر فرماتے ہیں۔ "بیماری اور عام بدامنی کی وجہ سے جو شہر کے لوگوں کا حال ہے وہ کہاں تک لکھوں خدا اس شہر سے اپنا غضب اٹھالے کیونکہ امور سلطنت میں کوئی نظم ونسق نہیں رہا ہے خدا خیر کرے (مکتوب ۸۶ بنام حکیم محمد فاروق)

بہر صورت میر نہ اصاحب کا عہد اور اس عہد میں آپ کے دوستوں اور

عزیزوں کا ہونا۔ جو کہ بڑے امیر، وزیر اور نوابین وصاحب حکومت تک تھے۔ ان تمام حالات نے اگر حضرت میرزا صاحب کو متاثر کیا تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ ان حالات میں آپ کے تاثرات کیا حکومت یا دنیا طلبی کی بنا پر۔ یا اہلِ دنیا کو خوش کرنے کی وجہ سے تھے ہر گز نہیں۔ آپ اہلِ درد تھے صاحب دل تھے۔ سارے جہاں کا درد رکھتے تھے اہلِ زمانہ کو خوش وخرم فارغ البال اور امن وامان سے رہتا ہوا دیکھنا چاہتے تھے۔ ظالموں اور غیر منصفوں اور عیار وعیاش اور ناکارہ وناا ہل حکایان سے بیزار تھے۔ سنت اور اتباع رسول کے خلاف امور سے بیزار تھے۔ ہر باایمان شخص میں یہ خصوصیات ہوتی ہیں۔ پھر حضرت کی ذات گرامی کا کیا کہنا۔ آپ اللہ کی زمین پر قانون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھنا چاہتے تھے۔ عدل وانصاف ورعایا پروری کی شان کا مظاہرہ آپ کو پسند تھا جو کہ اس پر آشوب زمانہ میں مفقود تھا۔ پھر بھلا آپ متاثر کیوں نہ ہوتے اور ظالم کو ظالم جھوٹے کو جھوٹا کیوں نہ کہتے جب کہ ایک معمولی مسلمان کی شان ہے۔

صاف گوئی کا ازل سے ہے قرینہ اپنا
صاف آئینے کے مانند ہے سینہ اپنا (اقبال)

بابِ سوئم

۳۔ میرزا صاحب بہ حیثیت شاعرِ زبان اردو

مولانا صفی لکھنوی کا ایک مشہور شعر ہے۔ (از ہماری شاعری) شاعری کیا ہے دلی جذبات کا اظہار ہے، دل اکبر بیکا ہے تو شاعری بیکار ہے معلوم ہوا کہ شاعری دلی جذبات کی سچی عکاسی کا نام ہے اولاً ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان صاحبِ

دل ہو اور صاحب دل ہونے کے بعد اس کے دل میں جذبات ہوں اور جذبات ہونے کے بعد اس میں جذبات کے اظہار کے لئے قادر الکلامی ہو اور الفاظ و زبان میں شیرینی کے لئے اس میں یہ صلاحیت ہو کہ جو الفاظ انتخاب کئے جائیں وہ نہایت بہترین طریقہ پر موتیوں کی لڑیوں کی طرح پروئے گئے ہوں۔ حاصل کلام یہ کہ ان میں فصاحت و بلاغت کی چاشنی بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہو۔ تب یہ دل کی بات کہلائے گی کہ جس میں حقیقت ہو گی یعنی جو تاثرات دل میں ہیں اُنھیں کو الفاظ کی صورت میں پیش کر دیا گیا ہو بقول ڈاکٹر سر محمد اقبال ۔۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے — پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے
قدسی الاصل ہے رفعت پہ نظر رکھتی ہے — خاک سے اٹھتی ہے گردوں پہ گزر رکھتی ہے

عشق تھا فتنہ گر و سرکش و چالاک مرا
آسمان چیر گیا نالہ بے باک مرا

ایک سچے اور کامیاب شاعر کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے دل میں عشق کی آگ دبی ہو اور اس آگ کو بھڑکانے کے لئے کشش حُسن سے متاثر ہونے کی صلاحیت ہو۔ جب دل میں عشق کی آگ بھڑک اٹھے گی تو غیر ممکن ہے کہ شعلے اور چنگاریاں نہ نکلیں بقول شخصے ۔

"یہ ممکن نہیں کہ آگ لگے اور دھواں نہ ہو"

عشق و عاشقی شاعری کی جان ہے۔ اگر عشق نہیں تو دل مثل گیلی لکڑی کے ہے کہ لاکھ آگ جلانے کی کوشش کرو۔ وہ آگ نہیں پکڑتی ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ کی شان میں آیا ہے "اللہ جمیلٌ" ویحبّ الجمال" اللہ جمیل ہے جمال کو پسند کرتا ہے یا حسن سے محبّت کرتا ہے۔ اللہ کے شیدائی محبّت کی آگ میں کشتہ ہو جاتے ہیں گو دنیا کے دیکھنے والوں کو وہ کشتہ نظر آتے ہوں۔ اقبال نے خوب ہی کہا ہے۔

مجھے پھونکا ہے سوزِ قطرۂ اشک محبّت نے
غضب کی آگ تھی پانی کے چھوٹے سے شرارے میں

جس دل میں محبت کی آگ بھڑک رہی ہوتی ہے اسے کہاں چین آتا ہے وہ آہوئے تاتار یا پارۂ بے قرار کی طرح بے قرار رہتا ہے پھر اقبال کا شعر اس موقع پر یاد آجاتا ہے۔

سکوں نا آشنا رہنا اسے سامانِ ہستی ہے
تڑپ کس دل کی یارب چھپکے آبیٹھی ہے پارے ہیں

مذکورہ بالا مختصر اشارات کی روشنی میں مجھے حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں کی شخصیت کا اندازہ بطور شاعر اور بالخصوص شاعرِ اردو کی حیثیت سے لگانا ہے۔ اس بات پر غور کرنے کے لئے آپ کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ ضروری اور ناگزیر ہے۔ صاحب معمولات مظہری نے کیا خوب لکھا ہے کہ حضرت میرزا مظہرِ ازل ہیں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

"درشانِ ایں مظہرِ ازل و شمسِ الانور اظہر و ابہر است کہ از حالت صبا و شیر خوارگی انوارِ عشق حقیقی و آثارِ کمال بزرگی از جبینِ مبین الیشان ظاہر و ہویدا بود چنانچہ در مظہرِ حُسن و جمال جلوۂ معشوق را نظارہ می نمودند و در کنارے خوبروئے برغبت تمام می رفتند و از کنارِ او جدا نمی شدند مگر بحیلہ و از سِن شعور مصرعہ موزوں می نمودند از یں جا است کہ می فرمودند کہ شاعری و پریشان نظری از خمیرِ طینتِ فقیر ست[1]۔

آپ کی کیا شان تھی کہ مزاج عاشقانہ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ شیر خوارگی کے زمانہ سے حسنِ ظاہر میں حسنِ حقیقی کا نظارہ فرمانے لگے تھے۔ کنارِ خوبرو میں پوری رغبت و شوق کے ساتھ چلے جاتے تھے اور پھر جدا نہیں ہونا چاہتے تھے۔ مگر کسی حیلہ اور بہانے سے الگ کئے جاتے تھے۔ حضرت میرزا صاحب کے الفاظ ہیں کہ شاعری اور پریشان نظری فقیر کی طینت میں سے ہیں۔ جو پارہ کی طرح عاشقانہ دل لے کر پیدا ہوا ہے جس کو نظارۂ حسن کے بغیر قرار نہ آتا ہو

---

[1] معمولات مظہری صفحہ ۷۔

جس کا خمیر طینت شاعری و پریشان نظری ہو اُس کی شاعری میں شعور نہ ہو گا تو اور کہاں ہو گا۔

قرآن شریف کی آئت ہے کونو مع الصّادقین "۔ سچوں کے ساتھ رہو۔ اس آئت کا اشارہ بزرگان دین سے ہے کہ بزرگان دین ہی سچی بات کہتے ہیں کیوں کہ وہ اپنے نفوس و علائق سے پاک صاف ہو جاتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں وہ اظہار حقیقت کے لئے کہتے ہیں نہ اپنے نفس و خواہش کے لئے۔ حضرت میرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے جلیل القدر صوفیوں میں سے تھے یہی نہیں بلکہ ان کے معاصرین علماء وصلحا اور بزرگان نے فرمایا کہ آپ اپنے زمانے کے بے مثال بزرگوں میں سے ہیں۔ ایسے بزرگ کی بات میں سچائی نہ ہو گی تو کہاں ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی زبان مبارک سے جو الفاظ نکلتے تھے وہ حقیقت بن کر نکلتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی شاعری متاثر کرنے والی ہے۔

جس زمانہ میں شیخ محمد علی متخلص بہ حزیں ہندوستان میں تشریف لائے تو وہ ہندوستان کے ہوشیار سے ہوشیار شعراء میں سے فن شعر و سخن میں کسی کو بھی اپنی نظر میں نہیں لاتے تھے۔ لیکن باوجود عدم ملاقات کے اُنھوں نے حضرت میرزا صاحب کی تعریف کی۔ چنانچہ مولوی قلندر بخش رحمۃ اللہ علیہ جو کہ حضرت میرزا صاحب کے جلیل القدر دوستوں میں سے ہیں۔ بیان کیا ہے کہ سامع خاں شاعر کہتے ہیں۔ ایک دن میں شیخ محمد علی حزیں کے مکان میں ان کے پاس شارع عام پر بیٹھا ہوا تھا کہ ناگاہ حضرت میرزا صاحب گھوڑے پر سوار اس راستے سے گزرے جب حضرت شیخ علی حزیں کی نظر حضرت میرزا صاحب پر پڑی پوچھا کہ یہ کون جوان ہے سامع خان نے کہا کہ یہ حضرت میرزا جان جاناں ہیں شیخ نے کہا "چشم بد دور رہمہ دانی و ہمہ جانی و نیز بزرگی[1] در حق ایشان فرمودہ کہ چشم بد دور کہ

---

[1] معمولات مظہریہ صفحہ ۱۱۔

ہم جانی وہم جانانی" آپ کے والد ماجد نے ایام طفلی میں ہی آپ کو نصیحت فرمائی تھی "می فرمودند اے میرزا صاحب ہر کہ دلش بداغ عشق برشتہ نمی شود خاشاکِ طبیعتِ اوسوختہ و پاک نمی گردد و زمینِ طینتِ او صلاحیتِ تخمِ محبتِ الٰہی ندارد زیراکہ عشق مجازی زینۂ عشقِ حقیقی است پس ما امیکہ رشتہ عشق مجازی طوقِ گلو کردہ در کوچہ و بازار رسوار و خوار نسازید روح فقیر از شما راضی نخواہد شد اما غیر از وسیلہ امرے دیگر درین راہ منظور نباشد۔ چوں بوسیلۂ ایں دولت را ہے بمطلب کشادہ گردد جانبازی در راہ مولی کہ پادشاہِ پادشاہان معشوقانِ اعلیٰ دادئی است اختیار باید نمود کہ سعادت جاودانی مربوط بآنست حضرت میرزا صاحب کی فارسی کی بیت ہے۔

تنِ زار مرا الفت زکلفت رستہ می سازد
کہ آتش مُشتِ خارِ خشک را گلدستہ می سازد

عاشقی و عشق بازی میں آپ درجہ اولی و مرتبۂ کمال کو پہونچے ہوئے تھے۔ جیساکہ حضرت مولوی نعیم اللہ بہرائچی نے معمولات مظہریہ میں بیان فرمایا ہے حضرت ایشان قدس اللہ سرہ از بلند فطرتی و خوش استعدادی و از توجہ معنوی حضرت والد بزرگوار خود بلکہ بہ محض فضلِ ایزدی در مرتبۂ عشق بازی باقصی مراتبۂ کمال رسیدند و جان شیریں فدائے راہ مولی نمودند و از دست ناحق پرستاں بے دولت بدرجۂ شہادت اعلیٰ رسیدند و ہم چنیں در فنِ شاعری درجۂ عالی می داشتند و بجز حرف عشق و درد بر لوحِ زبان نمی نگاشتند و اصلا در ضمنِ شعر غرضِ دنیا و اظہار ہنر در میان نداشتند و گاہے در مدح یا ذم کسے زبان را آلودہ نمی کردند"

جو کچھ اشعار لکھے بجز عشق و درد لوحِ زبان پر اور کچھ نہیں لائے اور اپنی شعر و شاعری سے اظہار ہنرمندی نہیں فرمایا اور نہ کسی کی مدح و ذم

ؔ معمولات مظہریہ صفحہ ۱۲ -

سے زبان مبارک کو آلودہ کیا ہے جیسا کہ فارسی اشعار میں آپ فرماتے ہیں۔

زتحریرم غرض عرضِ ہنر نیست دماغم را ازیں بوہا خبر نیست
طپیدن داری از دل جی نگارم اصول رقص بسمل می نگارم
ہمیں خونِ گرمیم در بزم ساقی است دگر از ہرچہ گوییم اتفاقی است
خیال لن ترانی ہم ندارم دماغِ قصّہ خوانی ہم ندارم

حضرت میرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ابتدائی حالات میں اپنے جوش محبت میں دیوانگی کے حالات میں اپنے نالوں کو موزوں کیا اسی لئے میرا نام شاعری میں آگیا اصل عبارت معمولات مظہری صفحہ ۱۲ میں اس طرح سے ہے " در ابتدائی احوال از دیوانگیہائے غلیانِ محبّت نالہا موزوں می کردم وبایں تقریب نام خود بشاعری برآوردہ بودم"[1]۔

لکھا ہے کہ ایک روز ایک اہل دل نے جو حاجی محمد افضل کہ حضرت کے شیخ الحدیث تھے۔ سے عرض کیا کہ شعر جو کہ حضرت میرزا صاحب سلمہ اللہ پڑھتے ہیں اس کی چوٹ کا اثر دل پر پڑتا ہے اور اس کا فیض قلب کے قریب پہونچتا ہے اور دل کو بے حد لذّت حاصل ہوتی ہے اس کا سبب کیا ہے ؟ حضرت حاجی صاحب نے جواب دیا کہ یہ مردانِ خدا اہلِ دل اور اہلِ درد ہیں۔ جو کچھ پڑھتے ہیں اپنے دلی درد کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ لہٰذا سامعین میں پوری تاثیر ہوتی ہے۔ آپ کے اشعار کو اشعار شرعی کہتے اور مقبول اہلِ دل کا نام دیتے ہیں۔

اصل واقعہ بالفاظ معمولات مظہری صفحہ ۱۳ پر حسب ذیل ہے — " نقل است کہ شخصے از اہل دل[2] روزے درخدمت حضرت حاجی محمد افضل کہ شیخ الحدیث آنحضرت بودہ اند عرض نمود شعریکہ حضرت میرزا صاحب سلیم اللہ می خوانند۔

---

[1] معمولات مظہری صفحہ ۱۲ —

[2] معمولات مظہری صفحہ ۱۳ —

ضربِ اثر آں بر دل می رسد و فیض آں متصل بقلب می آید و دل را حظ بسیار حاصل می شود بخلاف شعرِ دیگر عزیزان کہ بمذاق دل ما مردم چاشنی لذت نمی بخشد سبب آں چیست حضرت حاجی صاحب فرمودند کہ ایشاں از مردان خدا واز اہلِ دل و اہلِ درد اند و ہر چہ می خوانند از درد دل می خوانند لہذا در مستمعان تاثیر تمام می بخشد" اسی موقع پر حضرت نے آپ کے چند اشعار کو سن کر فرمایا تھا " از ینجاست کہ شعر ایشاں را شعر مشروع می گویند و مقبول اہلِ دل می نامند"۔

میرزا صاحب کا اردو کلام زیادہ نہیں دستیاب ہوتا ہے مگر جو کچھ دستیاب ہوا ہے اس سے عمارت کی بلندی اور شان کا اندازہ لگتا ہے۔ دراصل آپ کی اردو شاعری کا زمانہ اردو شاعری کی اصلاح کا زمانہ ہے آپ نے اپنی قادر الکلامی اور طبع رسا سے اردو شاعری کی اصلاح کا وہ سنگِ بنیاد رکھا کہ جس کو اردو ادب میں کبھی بھلایا نہیں جاسکتا ہے انھوں نے اردو شاعری کو ایہام اور لفّاظی کے خار زار سے نکال کر ایک سادہ اور شستہ زبان کی طرف موڑ دی ہے۔ اردو شاعری میں وہ ایک مصلح اعظم اور ایک مجدّدِ اعلیٰ ہیں۔ اردو زبان کی اصلاح و وسعت میں جو سعی فرمائی ہے وہ انھیں کا حق ہے۔ ان کی مساعی جمیلہ اردو ادب کی جان اور شان ہیں۔ اگر حضرت میرزا صاحب کو اردو شاعری کا افلاطون کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا افسوس کی بات یہ ہے کہ ان کے اردو دیوان کا سراغ لگتا ہے۔ مگر دستیاب نہیں ہوتا ہے۔ جو کچھ دستیاب ہوا ہے وہ آخر میں شامل کیا جارہا ہے۔

بہر صورت حضرت مرزا صاحب کی شخصیت میں کچھ ایسی خداداد صلاحیتیں ودیعت تھیں کہ وہ ہر میدان میں امام واستاد تسلیم کئے گئے۔ اردو شاعری میں وہ مصلح اعظم ہونے کی وجہ سے " نقاش اوّل ریختہ " کے لقب سے ملقّب ہوئے حاصل کلام یہ کہ اردو میں میرزا مظہر جانِ جاناں بحیثیت شاعرِ اردو زندۂ جاوید

ہیں اور رہیں گے۔ اُردو شاعری ان کے احسان کو کبھی نہ بھلا سکے گی۔

حضرت کی اصلاحی کوششیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) ہندی الفاظ پر فارسی الفاظ کو ترجیح دی گئی۔ لہذا ولی کے زمانہ کے بہت سے الفاظوں اور بندشوں سے زبان پاک کی گئی۔

(۲) فارسی الفاظ اور محاورات سے زبان اُردو کو مالا مال کیا۔

(۳) حسن وعشق کے معاملات نہایت خوبصورتی سے نئے ڈھنگ سے باندھے گئے۔

(۴) گل وبلبل شمع وپروانہ کے پردے میں حقیقی واقعات اُردو شاعری میں بیان ہونے لگے۔

(۵) صنعت ایہام اور لفاظی کے خارزار سے اردو شاعری کو پاک کیا گیا۔ تمام نقائص اور معائب سے زبان کو پاکیزہ کیا گیا۔

(۶) سریلی اور عمدہ بحروں کا رواج اُردو شاعری میں کیا گیا جن کا استعمال اس سے قبل نہ تھا۔

(۷) نئی نئی تشبیہیں اور استعاروں اور صنعات کا استعمال کیا گیا کہ جس سے زبان کی خوبی میں چار چاند لگ گئے۔

(۸) نئی نئی اصناف سخن کا استعمال شروع کیا گیا واسوخت، مرثیہ، مخمس، ہجو، مربع، مستزاد۔

(۹) سوقیانہ اور مبتذل خیالات کے اظہار کا دروازہ اُردو شاعری میں بند کیا گیا۔

باب چہارم

میرزا صاحب سے قبل اردو زبان و شاعری کی نوعیت

حضرت میرزا صاحب دہلی کے رہنے والے ہیں اور دلّی میں پہلے درباری زبان فارسی تھی لہذا یہاں فارسی کا ہی زور تھا۔ شعر و شاعری کا دور دورہ زیادہ تر فارسی میں ہی تھا۔ بڑے بڑے شعرا فارسی زبان میں شعر و شاعری کر کے زور آزمائی کرتے تھے۔ اس سے قبل دکن میں اردو ادب کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ سولہویں اور سترہویں صدی میں دکن میں کافی شاعر پیدا ہو چکے تھے۔ دکن میں اردو نے اتنا زور پکڑا تھا کہ وہاں کے غریب، امیر، وزیر، اور بادشاہ اردو زبان کے عاشق و دلدادہ بن گئے تھے۔ جب مغل بادشاہ عالم گیر نے دکن کی ریاستوں کو اپنے قبضے میں لے لیا تو دکن کی ریاستوں کے دلّی کے ماتحت ہونے سے دلی اور دکن کے لوگوں کے تعلقات زیادہ قریب ہو گئے۔ دکن نے شمالی ہندوستان بالخصوص دلّی پر اپنا بے حد اثر ڈالا۔ دکن میں اب تک اردو شاعری نے بے حد ترقّی کر لی تھی۔ اس میں مثنوی، غزل، قصیدے لکھے جانے لگے تھے۔ اس خداداد زبان میں کچھ ایسی لچک آگئی تھی کہ اس میں ہر طرح کے خیالات بیان کئے جا سکتے تھے۔ دلّی میں جہاں فارسی شعر و شاعری کا زور تھا۔ وہیں روز کی بول چال کی زبان اردو تھی یہاں کے فارسی شعرا نے جب دکن کی اردو شاعری کو دیکھا تو انھوں نے بھی فارسی چھوڑ کر اردو میں لکھنا شروع کر دیا۔ لہذا شمالی ہندوستان میں اردو شاعری کا دور دورہ اب شروع ہو گیا۔ عہد عالم گیر کے آخری زمانہ میں دکن کے مشہور صوفی شاعر ولی دکنی گزرے ہیں۔

ولیؔ جب دلّی میں آئے تو اہلِ دلّی نے ان کے دیوان کو دیکھا تو اردو شاعری کی دھوم مچ گئی اور بہت سے شاعر اردو میں شعر کہنے لگے۔ اُردو شاعری کا چرچا اب دلّی میں عام ہو گیا۔ عبدالقادر بیدل خان آرزو فطرت وغیرہ فارسی کے دہلوی شعرا نے بھی اُردو میں دو چار شعر کہنے شروع کر دئے۔ اس زمانہ میں فائز، حاتم، آبرو یک رنگ، ناجی، انجام وغیرہ مشہور اور قابلِ تذکرہ ہیں یہ شعرا اُردو کے صاحب دیوان شعرا ہوئے ہیں۔ اس دور کے شعرا کی شاعری اُردو میں ضرور تھی لیکن اس وقت کی اردو شاعری ایہام جیسی صنعت کے تصنّع و تکلّف سے مملو تھی شاعری میں جذبات و محسوسات کو چھوڑ کر لفّاظی پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ عروضی حیثیت سے تو اشعار صحیح ہوتے تھے لیکن الفاظ کی جادوگری سے معنی و مفہوم خبط نظر آتے تھے۔ گویا شاعری بے اثر تھی اور جو کہنا چاہیئے کہ۔

شاعری کیا ہے دلی جذبات کا اظہار ہے۔
دل اگر بیکار ہے تو شاعری بیکار ہے۔

تو یہاں دل تو تھے جذبات تھے لیکن ایہام جیسی صنعت کے خارزار میں الجھ کر شعرا کو لفّاظی کے سوا اور کسی چیز کا خیال ہی نہیں رہتا تھا۔ گویا اس وقت کی شاعری میں دل کی آواز، درد کی کسک اور تڑپ از سرتا پا غائب تھی۔ الفاظ کی بھول بھلیوں میں شاعری بے خوشبو کے رنگیں پھولوں کی طرح رہ گئی تھی۔

لہذا اس بیماری کو دور کرنے کے لئے اور صنعت ایہام و لفّاظی تصنع و بناوٹ کے خلاف اس زمانے کے مسیحائے زبانِ اُردو حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں نے قدم اٹھایا اور اپنی مساعئ جمیلہ سے اردو شاعری میں اصلاح کا وہ سنگِ بنیاد رکھا کہ بعد میں اسی اصلاح کی بدولت اردو میں غالبؔ، حالیؔ، اقبالؔ، چکبستؔ جیسے شعرا پیدا ہوئے۔ اسی لئے اُردو شاعری کی بنیادی اصلاح کے لئے اگر حضرت مرزا صاحب کو مسیحائے زبانِ اردو و امامِ دبستانِ دلّی کے نام سے یاد کیا

جائے تو بھی کچھ زیادہ ان کی خدمات کا حق ادا نہیں ہو سکتا ہے۔

باب پنجم

میرزا صاحب کی خدماتِ جلیلہ متعلقہ اصلاحِ زبانِ اُردو اور حضرت میرزا صاحب کا اپنے زمانے میں یکتائے فصحائے زمان ہونا

جب کوئی ایسی بیماری پھیل جائے کہ جس سے ہلاکت عامّہ کی شکائت پیدا ہو جائے تو ایک ایسے مسیحائے وقت کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ اس بیماریٔ عامّہ سے نجات دلا سکے۔ ایسی مثال اُردو زبان کی شاعری پر منطبق ہوتی ہے کہ جب حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں نے میدانِ شاعری میں قدم رکھا تو انھوں نے دیکھا کہ اُردو شاعری میں ایہام جیسی مہلک بیماری پھیلی ہوئی ہے اور اس بیماری سے اُردو شاعری الفاظ کی سحرکاری سے مسحور ہو کر رہ گئی ہے۔ مسیحِ وقت نے اپنی فیاض طبیعت اور دوررس نگاہوں سے جائزہ لے لیا کہ اس بیماری کو بروقت دور کرنا چاہیئے ورنہ اُردو کا عروج رُک جائے گا اور حریفوں کی نظر میں اردو شاعری ایک بے معنی چیز ہو کر رہ جائے گی۔ آپ نے اپنی پوری کوشش سے اردو شاعری کی اس بیماری کو دور کیا اور بروقت ایک مصلح اور مجدّد کی طرح اردو کی ڈگمگاتی کشتی کو بھنور سے نکال کر ہمیشہ کے لئے ایک پاک صاف شاہراہ پر ڈال دیا۔ آپ نے خلافِ فطرت تصنع و بناوٹ کو دور کرنے کے لئے آواز بلند کی اور حقیقت بیانی و سادہ گوئی پر اردو شاعری کا سنگ بنیاد

رکھا۔ اسی لئے آپ "نقاش اوّل ریختہ کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں۔ آپکی اس مساعی جمیلہ کا اعتراف زیادہ و بیشتر تذکرہ نگاروں نے کیا ہے۔ آپ کی فصیح بیانی نکتہ سنجی اور اہلیت مذاق سخن کو تمام معاصر تذکرہ نگاروں نے تسلیم کیا ہے۔ آپ نے اردو کی ہی اصلاح کا خیال مدنظر نہیں رکھا بلکہ اس زمانہ کے فارسی شعراء کے اچھے اور مذاق سخن پر پورے اترنے والے اشعار کو انتخاب کر کے ایک نوٹ بک تیار کی جو کہ خریطۂ جواہر کے نام سے موسوم ہوئی یہی خریطۂ جواہر اس عہد کے شعراء کے لئے اپنی اصلاح کے لئے مشعل راہ کا باعث ہوا۔ انہیں وجوہات کے باعث ان کو سب نے اردو شاعری کا مصلح اعظم قرار دیا ہے۔

صاحب طبقات الشعراء نے اُردو شعراء کو پوچ گو اور اردو شاعری کو غلط، مکروہ، سبک اور مبتذل الفاظ و معانی کا مجموعہ بتلایا ہے۔ حضرت میرزا صاحب اردو کے پہلے شاعر ہیں جن کو مذکورہ باتوں کی اصلاح کرنی پڑی۔ صاحب طبقات الشعراء میرزا صاحب کی حسب ذیل الفاظ میں مدح سرائی کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

"می گویند اوّل کسیکہ طرز ایہام گوئی را ترک نمودہ ریختہ را در زبان اردوئے معلیٰ شاہ جہان آباد کہ الحال پسند خاطر عوام و خواص گردیدہ مروّج ساختہ زبدۃ العارفین قدوۃ الواصلین واقف رموز جناب اکبر کاشف کنوز طریقۂ پیغمبر میرزا جان جاناں متخلص بہ مظہر مردے است فرشتہ صفت" [۱]

آپ نے اُردو شاعری میں حسب ذیل امور کی اصلاح کی۔

(۱) ایہام کی صنعت کا استعمال ترک کر کے سادگی الفاظ کے ساتھ رنگ تغزل پیدا کیا گیا۔

---

[۱] طبقات الشعراء قدرت اللہ شوق۔

(۲) برج بھاشا اور دکھنی زبان کے الفاظ جو اب تک چلے آرہے تھے متروک کردئے گئے اور ان کی جگہ اردو فارسی کے الفاظ سے پر کردی گئی مثلاً نین، چشم، ساجن۔ معشوق۔ درشن۔ زیارت۔ موہن۔ معشوق پیو۔ دوست یار برھا۔ فراق وغیرہ

(۳) زبان میں صفائی اور شستگی پیدا کردی گئی۔

(۴) فارسی اور ہندی میں وہ الفاظ استعمال کئے گئے جو عام طور پر استعمال ہوتے تھے۔ ہندی کے الفاظ کی جو پہلے سے بھرمار چلی آتی تھی کم کردی گئی۔ سجن، شریجن، ساجن، نین، موہن، برھا وغیرہ متروک کردیئے گئے۔

(۵) عربی اور فارسی کے وہ الفاظ جو اُردو میں صوتی لحاظ سے لکھے جاتے تھے۔ اب اپنی اصلی شکل پر لکھے جانے لگے۔ جیسے تسبی۔ تسبیح۔ صحی۔ صحیح۔ بگانہ۔ بیگانہ۔ مرض۔ مرض وغیرہ۔

(۶) ثقیل اور بوجھل الفاظ سے زبان کو پاک وصاف کردیا۔ جیسے کبتا، آئیاں، جائیاں، سنسار، نین، سوں، ستی وغیرہ۔

حضرت میرزا صاحب کی اصلاحی کوشش سے قبل کی شاعری کے چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں۔

فائز

یار میرا میانِ گلشن ہے — غرقِ خون پھول تا بدامن ہے
خوب پھولی تھی باغ میں نرگس — گل صد برگ وجعفری ہے یاد

تجھ دام میں آئے آہوئے چین بند ہے فائز
ہرگز نہیں اس طائر اندیشہ خطا پر

مرگ سے اس حور لقا کو تھے نین — اس کا مجھے عشق ہوا فرضِ عین

لے جاتی ہے جیوں اپچھرا جی کو چھل — کہ دیکھ ان کو پانی میں جی جائے جل

منہ پھول سے رنگین تھا و ساری تھی اُس کی ہری
کھترانی ایک دیکھی میں پنگھٹ میں جیوں پری

چیری ہیں اس کی اُربسی رمبھا و رادھکا — پربھو نے بنائی نہیں ویسی دوسری
میں نے کہا گھر چلے گی میرے ساتھ آج — کہنے لگی کہ ہم سوں نہ کر بات تو بُری
دھک جا کے اس کی باہہ کو پکڑا اس ہات سوں — کہ بیٹھی جا دی مارے کرتا ہے مسکھری
چوما لیا ادھر پر اسے لگا کے گل — کہنے لگی مغل کی یہی ریت ہے بری
کم دیکھی فائز ایسی حسن میں ہندُنی
بیتیں بر کھ بر کھ نہ غم او گھری گھری

کچھ بھلا نہیں رقیب کو لگتا — ایک پاپوش خوب لگتی ہے۔ ولی

نوٹ ۔ اس زمانہ کا زیادہ کلام پیش نہیں کیا جا رہا ہے ۔ یہ چند اشعار بطور نمونہ پیش کئے گئے ۔ زیادہ لکھنے میں طبیعت کے بے مزہ ہونے کا خوف ہے ۔

آپ یکتائے فصحائے زمان تھے

حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ مردانِ خدا میں سے تھے، اہلِ دل تھے، اہلِ درد تھے جو کچھ اشعار پڑھتے تھے دل کے درد کے ساتھ پڑھتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ کے اشعار کے پڑھنے کو سن کر لوگوں کے دل پر درد کی چوٹ پڑتی تھی وہ متاثر ہو کر بلبلا اٹھتے تھے۔ اور قلب میں تاثیر کی گرمی محسوس کرنے لگتے تھے آپ کے اشعار کو اشعار مشروع کہا جاتا ہے۔ حقیقت نگار تھے۔ فصیح الزّبان بلیغ اللّسان اور مصلح زبان اُردو و شاعرئ اردو ہیں اسی لئے آپ کو یکتائے فصحائے زمان کہنا بے جا نہ ہوگا۔

آپ کے کلام معجز بیان سے چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں۔

گئی آخر جلا کر گل کے ہاتھوں آشیاں اپنا ۔۔۔ نہ چھوڑا ہائے بلبل نے چمن میں کچھ نشاں اپنا
یہ حسرت رہ گئی کیا کیا مزوں سے زندگی کرتے ۔۔۔ اگر ہوتا چمن اپنا، گل اپنا، باغباں اپنا
جنوں سے اس قدر روئیں کہ رُسوا ہو گئیں آخر ۔۔۔ ڈبایا ہائے ان آنکھوں نے آخر خانماں اپنا

اگرچہ الطاف کے قابل یہ دل زار نہ تھا ۔۔۔ اس قدر جور و جفا کا بھی سزاوار نہ تھا

لوگ کہتے ہیں مر گیا مظہر ۔۔۔ فی الحقیقت میں گھر گیا مظہر

جواں مارا گیا خوبوں کے اوپر میرزا مظہر ۔۔۔ بھلا تھا یا برا تھا۔ اور کچھ تھا خوب کام آیا

ایک دم تھا سو بھی نہ رہا مظہر
جی گیا جان گیا دم بھی چلا یار کے سات

ہم نے کی ہے توبہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار
ہائے بس چلتا نہیں کیا مفت جاتی ہے بہار

گل کو جو گل کہوں تو ترے رو کو کیا کہوں
دُر کو جو دُر کہوں تو اس آنسو کو کیا کہوں

آتش کہو شرارہ کہو، کوئلہ کہو
مت اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو

تجلی گر تری پست و بلند اِن کو نہ دکھلاتی
فلک یوں چرخ کیوں کھاتا زمیں کیوں فرش ہو جاتی

الٰہی درد و غم کی سرزمین کا حال کیا ہوتا
محبت گر ہماری چشم تر سے منہ نہ برساتی

کیا بلبل نے نعرہ آہ قمری نے روئی شبنم
خدایا باغ میں آئی قیامت یا بہار آئی

یہ دل کب عشق کے قابل رہا ہے
کہاں ہم کو دماغ و دل رہا ہے

اگر ملیئے تو خفت ہے وگر دوری قیامت ہے
غرض نازک دماغوں کو محبت سخت آفت ہے

کبھی اس دل نے آزادی نہ جانی
یہ بلبل تھا قفس کا آشیانی

بابِ ششم

۶۔ میرزا صاحب کے معاصرین شعرا اور ترقی زبانِ اُردو و شاگردان میرزا صاحب

حضرت میرزا مظہر جان جاناں کے معاصرین صوفی شاعروں میں سب سے پہلے خواجہ میر درد اور دوسرے غزلیات کے پیغمبر حضرت میر تقی میر ہیں۔

خواجہ میر درؔد

خواجہ میر درؔد حضرت میرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ کے معاصرین صوفی شعرا میں سے ہیں۔ کوئی صوفی ایسا نہ ہوگا کہ جس کو عشق و عاشقی سے لگاؤ نہ ہو بلکہ کوئی صوفی اس وقت تک صوفی نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ اس کو عشق کی آگ میں جلنا نہ پڑے اور رموز منازل عشق سے واسطہ نہ پڑے جیسا کہ ولی دکنی نے فرمایا ہے۔ یہی نصب العین خواجہ میر درد کا ہے۔

شغل بہتر ہے عشق بازی کا
کیا حقیقی و کیا مجازی کا (ولی)

مگر یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ صوفیا کا عشق مجازی بوالہوسی پر منحصر نہیں ہوتا ہے۔ ان کے لئے تو عشق مجازی عشق حقیقی کے لئے زینے کا کام دیتا ہے۔

وہ عشق مجازی سے آتش دل کو مشتعل کر کے فوراً عشق حقیقی کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں جو کہ معراج العاشقین ہے۔ لہٰذا کوئی بوالہوس صوفیا کے اس طرح کے اشعار کا غلط مطلب سمجھ کر عشق مجازی کو بوالہوسی کا ذریعہ بنا لے اور دعوی صوفیائے صافیہ کے عشق کا کرنے لگے۔ جیسا کہ مولانائے روم نے اپنی مثنوی میں ایک تذکرہ بیان کیا ہے کہ ایک بزرگ راستے میں جا رہے تھے ساتھ میں ان کے مرید بھی تھے۔ راستے میں شیخ نے ایک مہوش کا بوسہ لے لیا۔ اور آگے چل دیئے۔ مرید کے دل میں وسوسہ گزرا کہ ہم کو ان باتوں سے کیوں منع کیا جاتا ہے۔ شیخ اپنے مرید کے وسوسہ سے واقف ہو گئے اور آگے چل کر انھوں نے ایک انگارے کی طرح گرم اور سرخ لوہے کے لٹھے کو بوسہ لیا۔ اور مرید کو بتلایا کہ جب تم میں اتنی قوت پیدا ہو جائے تو تم کو بھی بوسہ کا حق ہے۔ لہٰذا واضح ہونا چاہیئے کہ یہ صوفیا فنا فی اللہ بقا باللہ کے مقام کے بزرگ ہوتے ہیں۔ یہ اپنے نفوس و علائق سے پاک صاف ہو کر ذات خداوندی میں فنا ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ان کو نفس پرستی اور بوالہوسی سے کوئی غرض نہیں رہتی ہے۔ اسی طرح کے بزرگوں میں سے خواجہ میر درد بھی ایک صوفی بزرگ تھے۔ صاحب دل اہل دل اور دریائے عشق کے شناور خواجہ میر درد کے دیوان کا ایک ایک شعر عشق و محبت کا سمندر لئے ہوئے ہے۔ چند اشعار خواجہ درد کے دیوان سے پیش کیے جاتے ہیں تاکہ واضح ہو جائے کہ حضرت میرزا مظہر جان جاناں کے معاصر صوفی شاعر خواجہ درد نے بھی زبان اردو و شاعری کی خدمات کی ہیں۔

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کی رقم کا
حقّا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

بھول جا خوش رہ عبث وے سابقے مت یاد کر
درد یہ مذکور کیا ہے آشنا تھا یا نہ تھا

تجھی کو جو یاں جلوہ فرماں نہ دیکھا
برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا
اذّیت، مصیبت، ملامت، بلائیں
ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا
شب و روز اے درد در پہ ہوں اُس کے
کسو نے جسے یاں نہ سمجھا نہ دیکھا
جی پہ کھیلا ہوں میرا جگر دیکھنا
جی نہ رہے یار ہے مجھ کو اُدھر دیکھنا

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا   تو ہی آیا نظر جِدھر دیکھا
زور عاشق مزاج ہے کوئی
درد کو قصّہ مختصر دیکھا

شدّت مہر بتاں دل سے آہ   درد کس طرح سے کم کیجئے گا
ہم نے کس رات نالہ سر نہ کیا   پر اسے آہ کچھ اثر نہ کیا
سب کے ہاں تم ہوئے کرم فرما   اس طرف کو کبھی گُزر نہ کیا

کیوں کر میں خاک ڈالوں سوزِ دل نہاں پر
مانند شمع میرا کب حکم ہے زباں پر

یار جاتا تو رہا نظروں سے کب کا لیکن
دل میں پھرتی ہے مرے درد وہ رفتار ہنوز

کعبہ میں دردؔ آپ کو لایا ہوں کھینچ کر

دل سے گیا نہیں ہے خیال بتاں ہنوز

میر تقی میر

میر تقی میر غزلیات کے پیغمبر حضرت میرزا مظہر جان جاناں کے معاصرین میں ہیں آپ نے اپنی غزلیات اور جادو بیانی سے اردو زبان و شاعری کو چار چاند لگائے ہیں کوئی نقاد کوئی تذکرہ نویس کوئی محقق کوئی وجدان صحیح کا مالک ایسا نہیں ہے کہ جس نے میر صاحب کی جناب میں ہدیہ عقیدت اور گلہائے تحسین و آفریں نہ پیش کئے ہوں۔ بندگان شعر و سخن نے خوشی کے ساتھ ان کو خدائے سخن مانا ہے شیفتہ کے گلشنِ بے خار میں ان کو میر حسن افصح فصحائے زمان کے نام سے پکارا گیا ہے۔ اسی طرح ہر ایک اعلیٰ سے اعلیٰ استادِ سخن ان کی توصیف میں رطب اللسان ہے۔ ان کے بعد تک کے اساتذہ نے ان کو استاد تسلیم کیا ہے۔

ہوا پہ نہ ہوا میر کا انداز نصیب | ذوقؔ یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

غالبؔ اپنا بھی عقیدہ ہے بقول ناسخؔ | آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میرؔ نہیں

ریختہ کے تمہیں استاد نہیں ہو غالبؔ | کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میرؔ بھی تھا

معتبر کل بھی رہی تیری زبان تیرا بیان | معتبر آج بھی ہے تیرا بیان تیری زبان۔

اب ذرا میر صاحب کی زبان سے بھی ان کی تعریف اور استادی کا بیان سن لیجئے۔

ریختہ رتبے کو پہونچایا ہوا اس کا ہے | معتقد کون نہیں میر کی استادی کا

ریختہ خوب ہی کہتا ہے جو انصاف کرو | چاہیئے اہل سخن میر کو استاد کریں

فنِ اشعار میں ہوں پہلوان میرؔ | مجھے ہے یاد اس کشتی کا ہر بند

تاحشر جہاں میں میرا دیوان رہے گا   جائے گا نہیں شور سخن کا مرے ہرگز

جہاں سے دیکھیے ایک شعر شور انگیز نکلے ہے
قیامت کا سا ہنگامہ ہے ہر جا مرے دیوان میں

میرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے ان معاصرین شعرا نے اردو زبان وشاعری کو کافی فروغ دیا جیسا کہ واقعات مذکورہ سے روز روشن کی طرح روشن ہے۔

فن شاعری میں شاگردان میرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

طریق تصوف وطریق نقش بندیہ میں طریقت کی تعلیم حاصل کرنے والے آپ کے بے شمار مریدین ہیں لیکن حسب ذیل زیادہ رشید اور جلیل القدر خلفا میں سے ہیں:۔

(۱) حضرت سید شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ
(۲) حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ
(۳) حضرت مولانا سیّد نعیم اللہ صاحب بہرائچی رحمۃ اللہ علیہ

روحانی تربیت کے ساتھ ساتھ ذوقِ سخن وشاعری رکھنے والے بھی آپ کے شاگرد تھے۔ یوں تو ذوق سخن رکھنے والے بھی بہت سے لوگ تھے جو آپ سے اصلاح سخن لیتے تھے لیکن خاص طور سے حسب ذیل چار پانچ زیادہ مشہور اور صاحبِ دیوان ہوئے لہذا اُنھیں کے مختصر حالات قلمبند کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اور ان کی شاعری سے بطور چاشنی چند اشعار بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔

انعام اللہ خان یقینؔ

نام انعام اللہ خاں یقینؔ تخلص ہے سلسلۂ نسب حضرت امام ربّانی مجدّد الف ثانیؒ سے ملتا ہے۔ دِلّی کے رہنے والے خوبرو، خوش گو اور خلیق شاعر تھے۔ عین جوانی میں انتقال فرمایا۔ اپنے اُستاد میرزا صاحب کے بے حد عقیدت مند تھے۔ اپنے پیر کے خلوص و محبّت میں بہت سے اشعار تحریر کئے ہیں۔

چوں نماز اپنے پہ صبح و شام لازم کر یقینؔ
حضرتِ اُستاد یعنی شاہِ مظہرؔ کی ثنا

اُن کے کلام میں لطفِ بیان اور سوز و گُداز دونوں خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ متروک الفاظ بہت کم استعمال کئے ہیں۔ ان کا دیوان انجمن ترقی اُردو ہند کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ نمونہ اشعار ذیل میں درج ہے۔

آگ بھی بجھتی ہے اور سورج بھی ہوتا ہے غرُوب
رات دن جلتا ہے یکساں داغ حسرت کا چراغ

یقینؔ مارا گیا جُرمِ محبّت پر زہے طالع
شہادت اِس کو کہتے ہیں، سعادت اس کو کہتے ہیں

بہار آخر ہوئی اب تو سینے دے گریبان کو
یقینؔ کرتا ہے کوئی اس قدر دیوانہ پن بس کر

سالہا سوز محبّت کو چھپایا تھا یقینؔ
ہاتھ آخر ہو گیا میرے گریباں کا حریف

ہیں سو سو التفات تغافل میں یار کے
بیگانگی سے اس کے کوئی آشنا نہیں

ہر گھڑی صحرا نشینی پر نہ کر جرأت یقین
آگئی تھی راس مجنوں کو بیاباں کی ہوا

اگرچہ عشق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے
بُرا نہیں یہ شغل کچھ بھلا بھی ہے

جس کو منظور مرنا سے جینا ہے عذاب
ہے دمِ پاک مسیحا دمِ شمشیر مجھے

جور و جفا میں یار بہت ہو گیا دلیر
کرتے تو کی پہ راس نہ آئی وفا مجھے

درد مند

ان کا نام محمد فقیہہ درد مند ہے۔ علاقہ بیدرا اپنے آبائی وطن سے اپنے والد کے ہمراہ ۱۱۲۶ھ میں دہلی آئے اور یہیں آباد ہو گئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ شاہ صاحب نے ان کی پرورش کی۔ جب والد کا انتقال ہو گیا تو حضرت میرزا صاحب نے ان کے سر پر اپنا دستِ شفقت رکھا اور اپنے زیر سایا لے لیا۔ حضرت میرزا صاحب کی صحبت اور تربیت سے یہ صاحب کمال ہو گئے۔ حضرت میرزا صاحب نے اپنے بعض اشعار میں ان کی تعریف فرمائی ہے مثلاً مظہر مباش غافل از احوال درد مند لعلے است اینکہ درگرہِ روزگار نیست ۔ درد مند نے باقتضائے فرط عقیدت خطوط و اشعار کے طرز انداز میں حضرت میرزا صاحب کی اتنی تقلید کی تھی کہ اسلوب خطوط استاد و شاگرد میں فرق نہیں معلوم ہوتا تھا۔ خوش گو رقمطراز ہیں:۔

ؔ سرو آزاد از آزاد بلگرامی صفحہ ۲۳۴

"باقتضائے فرطِ عقیدت و علوّ فطرت در
اوضاع و اطوار تقلید را بہ تحقیق رسانده
که در اسلوب خطوط و شعر ہم درمیانِ استاد
و شاگرد فرقے نمی ماند[۱]"۔

دردمند دلّی سے مرشد آباد چلے گئے تھے اور ۱۱۷۶ھ میں وہیں رحلت فرما گئے[۲]۔ دردمند نے فارسی میں بھی شاعری کی اور صاحب دیوان ہوئے ہیں۔ اُن کا دیوان اُن کی حیات میں شائع ہو چکا تھا۔ اُنھوں نے فارسی میں اپنے پیر و مرشد حضرت میرزا صاحب کی شان میں گلہائے عقیدت نثار کئے ہیں جو انھیں کا حق ہے۔

زہے پیر و مرشد زہے پیشوا | کوئی کیا کرے اس کی مدح و ثنا
خدیوِ سخن میرزا جانِ جان | کہ حکم اس کا ہے ناطقہ پر رواں
لقب اس کا ہے ذوالجلالِ سخن | کہ بندے ہیں سب اُس کے اربابِ فن
سب اربابِ فن اُس سے ہیں مستفید | کہ علم و ادب اُس کے دونوں مُرید
کوئی آج اس کی برابر نہیں | وہ سب کچھ ہے الّا پیمبر نہیں

آپ کا اُردو کلام کچھ زیادہ نہیں ملتا ہے۔ مگر جو کچھ ملتا ہے اس سے اُن کی قادر الکلامی اور مذاقِ سخن کا اندازہ ہوتا ہے ان کے مشہور ساقی نامہ کے چند اشعار بطور چاشنی درج ذیل ہیں۔

ارے ساقی اے جان فصل بہار | یہی تھا ہمارا و تیرا اقرار
ہمارے بِسرنے کی یہ فصل تھی؟ | فراموش کرنے کی یہ فصل تھی؟
نظر تو کرو ٹک چمن کی طرف | شگوفہ کو آیا ہے مستی سے کف

۱۔ سفینۂ خوش گو بحوالہ عبد الرزاق قریشی۔

۲۔ میرزا علی لطف گلشن ہند صفحہ ۱۳۰۔

چمن میں بھرا ہے نشہ یاں تلک
کہ جاتی ہے نرگس کی گردن ڈھلک
تجھے جان گل کے لہو کی قسم
تجھے باغ کے رنگ و بو کی قسم
تجھے جام کی چشم تر کی قسم
تجھے اپنی پنہاں نظر کی قسم
ادا سے لہکنے کی تجھ کو قسم
نشے سے بہکنے کی تجھ کو قسم
تجھے جامِ صہبا کے سر کی قسم
تجھے اپنے مینا کے سر کی قسم
قسم ہے تجھے بے سبب جنگ کی
قسم ہے مرے نام کے ننگ کی
ارے بے وفا بے مروّت صنم
میں دیتا ہوں تجھ کو قسم پر قسم
جو تو نے کیا ئے کو مجھ پر حرام
تو اتنا کر اے ظالموں کے امام
کہ تو سرکشی سے نہ کر پائمال
مرے خون کو اپنے اوپر حلال

نہ یہ مے نہ یہ باغ رہ جائے گا
نہ ملنے کا یہ داغ رہ جائے گا

خواجہ احسن اللہ خاں بیاںؔ

آپ کشمیر کے رہنے والے ہیں۔ ولادت آگرہ میں ہوئی۔ بعد کو دِلّی چلے گئے۔ حضرت مولانا فخر الدّین دہلوی کے مرید ہیں۔ حضرت میرزا صاحب سے اصلاحِ سخن لیتے تھے۔ آپ صورتاً وجیہہ اور سیرتاً خوب تھے۔ ان کا دیوان اب تک شائع نہیں ہو سکا ہے۔ عبدالحی صاحب مصنّف تاریخ زبان اردو نے اُن کے کلام میں رنگینی اور نمکینی ہونے کا اقرار کیا ہے۔ دور از قیاس استعاروں اور پیچیدہ بندشوں سے کلام پاک و صاف ہے۔ ۱۲۱۳ھ میں حیدرآباد میں انتقال فرما گئے۔ نمونہ کلام مندرجہ ذیل ہے۔

ساقی تری نگاہ کے صدقے میں ایک بار
دونوں جہاں کی فکر سے کر بے خبر مجھے

جاتا ہے یار کچھ تو بیاں منہ سے بول لے
اے بے نصیب مانعِ گفتار کون ہے
مصلحت ترک عشق ہے ناصح
لیک یہ ہم سے ہو نہیں سکتا
بیاں کون ہے اب تلک پوچھتے ہو
تغافل کے قربان، تجاہل کے صدقے
آیا ہوں اس گلی سے ابھی دم نہیں لیا
پھر لے چلا ہے یہ دلِ وحشی اُدھر مجھے
کہتا نہیں ہیں عرش پر اے نالہ جا پہنچ
کانوں تلک تو اس کے تو اے نارسا پہنچ
جادو تھی کہ سحر تھی، بلا تھی ظالم یہ تری نگاہ کیا تھی
وصل کی شب کا ماجرا کیا کہوں تجھ سے ہم نشیں
شام سے لے کے صبح تک وہ ہی نہیں نہیں رہی
مت آئیو اے وعدہ فراموش تو اب بھی
جس طرح کٹا روز، گزر جائے گی شب بھی
کافر ہو جو زیادہ کچھ اس سے آرزو ہو
اک بے خلل مکان ہو بس میں ہوں اور تو ہو

ہیبت علی خاں حسرت

ہیبت قلی خاں حسرت عظیم آباد کے رہنے والے تھے نواب شوکت جنگ اور نواب سراج الدولہ کے درباروں سے منسلک رہے۔ آخر میں خان بہادر

میر مبارک علی کی مصاحبت میں رہے۔ حسرت بڑے لطیفہ گو تھے۔ حاضر جوابی میں ماہر تھے۔ ۱۲۱۰ھ میں انتقال کیا[۱]۔

کلام درج ذیل ہے۔

اڑا دے اے دوانے شورش سودا سے سب ڈر کو
بہار آئی تو کیدھر دیکھتا ہے پھونک دے گھر کو

چھپاؤں اشکِ گل گوں کس طرح ہائے
گریباں ہو رہا ہے جابجا سُرخ

آپ ہی اپنے یار تھے جانا نہیں
غیر میں بھولے تھے پہنچانا نہیں

فرہاد سے ہمسری کرے کون
سر کس کا پھرا ہے یوں مرے کون

میر محمد باقر حزیںؔ

نام میر محمد باقر حزیںؔ تخلص تھا۔ اپنے آبائی وطن آگرہ سے بسلسلہ تلاش معاش دہلی چلے آئے تھے۔ کچھ لوگوں کا بیان ہے کہ عظیم آباد میں بود باش اختیار کر لی تھی[۲]۔ نمونۂ کلام

وہ نگاہ مست ہے اس چشمِ گریاں کا علاج
مے سے ہوتا ہے خمارِ مے پرستاں کا علاج

میں چاہتا ہوں عشق چھپاؤں پہ کیا کروں
رسوا کرے ہے خلق میں یہ چشم تر مجھے

۱؎ گلشن ہند از علی لطف   ۲؎ گلشن ہند از علی لطف

آتی ہے نو بہار ڈھڑکتا ہے جی مرا
سپہر شور و شر کرے گا یہ خانہ خراب دل
جس دن سے سُنا ہے کہ آخر ہوئی بہار
اس دن سے چھوٹنے کی مجھے کچھ ہوس نہیں
خوب بوجھا ہے مزا عشق میں رسوائی کا
معتقد جی سے ہوں اس دل کی میں رسوائی کا

بابِ ہفتم

ملفوظات و مکتوبات و تصنیفات میرزا صاحب و فارسی شاعری

صاحب معمولات مظہریہ فرماتے ہیں کہ حضرت میرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ "می فرمودند کہ در ابتدائے احوال از دیوانگیائے غلیانِ محبت کہ نالہا موزوں می کردم و بایں تقریب نام خود بشاعری بر آوردہ بودم و بخاطر می گذشت طریقیکہ مناسبِ مذاقِ فقیر خواہد بود یعنی بشورِ نغمات یا بطور خرابات مناسبت خواہد داشت اختیار خواہم نمود۔ چوں بسلسلہ حضرات نقش بندیہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین منسلک و ملتزم شدم آں قدر مغلوب حال خود گشتم کہ آں کیفیات یکباہا از دل مسلوب گشت و اصلا در خود طاقت حرکت خلاف اتباعِ سنّت نماند و اثرے کہ از طینت باقی بود حظ در انشاء و اشعار بر داشت و حالا بحکم حضرات مشائخ قدس اللہ سرہم از مدت سی سال در ارشاد طالبان و تعلیم تربیت یاراں مشغول است بجز انزوا و تدبیر ساختگیٔ سفرِ آخرت کہ در پیش ست چیزے دیگر بمذاقِ جانِ شبیریں نمی نماید چنانچہ شمہ ازاں در عنوانِ دیوانِ عالیشان

خود بیاں فرمودہ اند[1] ونیز ازیں جاست کہ می فرمودند کہ "مارا ذوقِ شعر وسخن از یاد رفتہ[2]"۔

مذکورہ فرمان والاشان میں حضرت میرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فارسی کے دیوان عالی شان کے عنوان کی طرف اشارہ کیا ہے وہ عنوان کیا ہے یہاں پر عنوان دیوان عالی شان کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے تاکہ اس سے آپ کی تصنیفات پر آپ کے ذریعے سے کچھ زیادہ روشنی پڑ سکے ۔

ترجمہ دیباچہ دیوان فارسی

حمد وصلوٰۃ کے بعد فقیر جانِ جاناں متخلص بہ مظہر پسر جان جانی تخلص کہ علوی نسب وہندی مولد وحنفی مذہب اور نقش بندی مشرب ہے۔ اپنے احوال دوستوں کی خدمات میں پہنچاتا ہے۔ سولہ سال کی عمر میں یہ خاکسار یتیم ہوگیا اور بیس سال کی عمر میں درویشوں میں شامل ہوگیا تیس سال تک مدرسہ اور خانقاہ میں جاروب کشی کی باقی زندگی بھی اسی شغل شریف میں گزار دی۔ اللہ کی دی ہوئی ہمت اور توفیق سے پوری زندگی دستِ طلب کو دنیا کی گندگی سے آلودہ نہیں کیا اور پائے سعی کو اس راہ میں نہ رکھا آج کہ ۱۱۷۰ھ ہے اور میری عمر ۶۰ سال ہے۔ بیس سال سے کُنجِ عزلت میں پناہ گزیں ہوں اور حضرات مشائخ کے مطابق کے انسانوں کے نسخۂ وجود کی تصحیح میں مشغول ہوں۔ جن کی ذات کے فرد باطل میں ہزاروں غلطیاں ہیں۔ عہد جوانی میں شورِ عشق کی تحریک پر کہ جو جوانی کے خمیر کا نمک ہے۔ نالہائے موزوں کیئے تھے۔ اس لئے شاعری

---

[1] و [2] معمولات مظہری صفحہ ۱۲ - ۱۳

میں میرا نام آگیا والاہمتی کی وجہ سے اجزائے مسودات و موادِ کلیات اکٹھا نہ کیا۔ بہت سا سرمایۂ سخن برباد ہو گیا۔ باقی میں اربابِ نقل و راوئت نے نمایاں تصرف کر کے غلط کلام کو رواج دے دیا۔ کور سوادوں نے جن کی آنکھیں نہیں تھیں انصاف سے درگزر کیا۔ شاعری پر اعتراضات کئے اور مغزِ سخن تک نہ پہنچ پائے۔ اُن اعتراضات کی ذمّہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے اس کم فرصتی کے زمانہ میں جب کہ موت کا خوف بہت زیادہ اور سفر درپیش ہے۔ ان اعتراضات کا جواب میرے اختیار میں نہیں تھا۔ ایک نوجوان سراپا جان نے اس کلام کو ترتیب دینے اور تصحیح کے لئے کہا بہت تلاش و جستجو کے بعد بیس ہزار اشعار میں سے تقریباً ایک ہزار ملے اور وہ بھی بے ترتیب ردیف اور اکثر غزلیں ناتمام ہاتھ آئیں۔ اس مجموعہ کے علاوہ جو کچھ نظر آئے اسے خارج سمجھا جائے۔ ہاں وہ تازہ کلام جس کے کہنے کا بہت کم اتفاق ہوتا ہے اور جو کلام قدیم مسودات میں سے ملے اسے اس میں شامل کر لیا جائے۔ بیس سال پہلے ایک عزیز فقیر کے کچھ اشعار فراہم کر کے میری خدمت میں لایا تھا اور اس پر کچھ لکھنے کی درخواست کی تھی۔ میں نے چند سطور لکھ دیں تھیں۔ اب اسے معتبر نہ سمجھیں کیونکہ وہ ناتمام اشعار بھی اسی میں شامل ہیں۔ والسّلام علیٰ مَنِ اتّبع الھدیٰ (سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی اتباع کی)۔

حضرت میرزا صاحب کی مذکورہ دونوں تحریروں سے یہ بات واضح ہے کہ حضرت نے بیس سال کی عمر میں خود کو فقراء کے دامن سے وابستہ کر لیا تھا اور اس کے بعد بیس سال تک مدرسہ اور خانقاہوں میں جاروب کشی کرتے رہے اب اس کے بعد کی بقیہ زندگی بھی اسی شغل میں گزار دی اور ۲۰ سال سے کنجِ عزلت میں رہ کر انسانوں کے نسخۂ وجود کی اصلاح میں مشغول رہے۔ جوانی کے عالم میں نالہائے عشق موزوں کئے تھے۔ اور شاعری میں حصہ لیا تھا اس وجہ سے شاعروں میں نام آگیا۔ آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ جب میں سلسلہ نقش بندیہ کے بزرگوں سے منسلک ہو گیا تو نسبت نقش بندی کا اس قدر غلبہ ہوا کہ وہ جوانی

کی کیفیات پوری طور پر سلب ہوگئیں اور ہرگز اتباع سنت کے خلاف حرکت کی مجھ میں طاقت نہ رہی۔ صاف ظاہر ہے کہ حضرت غلبۂ نقش بندی سے مغلوب ہوکر تالیف تصنیف اور شعر و شاعری کی طرف عالم جوانی کی طرح شیدائی نہ رہے۔ گاہ گاہ شعر و سخن شرعی اور اصلاح سخن کرتے رہے۔ مگر پورا پورا رجحان رُشد و ہدایت کی طرف رہا۔ رُشد و ہدایت کے لئے حضرت نے اپنے معتقدین و مریدین کو مکتوبات تحریر کئے ہیں، ملفوظات لکھے ہیں، وصایا بھی گاہ گاہ کرتے رہے آپ کے مکتوبات اور وصایا و ملفوظات شریعت طریقت، حقیقت، معرفت کے آئینہ دار ہیں۔ آپ نے اپنی ان تحریروں سے شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت و نیز دین و دنیا کے تمام مسائل کو اپنے عزیزوں اور طالبانِ خدا کے لئے آسان کر دیا ہے۔ آپ کے وصایا اور ملفوظات پر اگر عمل کیا جائے تو انسان عالم انسانیت سے گزر کر سراپا فرشتہ صفت ہوکر عالم ملکوت میں بزرگی کے قابل ہوجائے۔ چونکہ زیادہ تر آپ کے ملفوظات اور وصایا فارسی میں موجود ہیں۔ لہٰذا اُن کا ترجمہ ذیل میں استفادہ کی خاطر درج کیا جاتا ہے اور خیال ہے کہ خلق اللہ اس سے نفع حاصل کرے گی۔

دادیم ترا بگنج مقصود نشاں
ما اگر نہ رسیدیم تو شاید برسی

ملفوظات حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں از مقامات مظہری

آنحضرت نے فرمایا ہے۔ ایمان مجمل کہ ایمان لایا میں خدا اور رسول صلعم پر اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی طرف سے لائے ہیں۔ اور دوست رکھتا ہوں دوستانِ خدا کو اور دوستان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

اور خدا اور رسول کے دشمنوں سے بیزار ہوں۔ بس نجات کے لئے اتنی بات کافی ہے اور ہر معاملہ کو بذریعہ دلیل کے ثابت کرنا علمائے عظام کا کام ہے۔ عامۃ المسلمین کے اوپر یہ ذمہ داری عاید نہیں ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ائمہ اہل بیت کی محبت اور حضرات اصحاب کبار رضی اللہ عنہم کی تعظیم کا اظہار کرنا برابر ضروری ہے۔ اور یہی صراط مستقیم ہے کہ کل پل صراط کی شکل میں ظاہر ہو گی جو کوئی اس جہان میں اس صراط مستقیم سے ٹیڑھا نہیں چلے گا کل قیامت میں پل صراط سے نہایت استقامت کے ساتھ گزر جائے گا۔ فرمایا ہے کہ ایک بے ادب رافضی نے جناب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں کچھ گستاخانہ زبان درازی کی۔ مجھ کو حمیّتِ دینی اور احترام اصحاب کرام سید المرسلین کا ہونے کی وجہ سے غصہ آگیا اور اس بے ادب کے سر پر خنجر میان سے نکال لیا۔ وہ گھبرا گیا اور بے قراری سے فریاد کرنے لگا کہ بحرمت حضرتِ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ کو معاف فرما دیجئے۔ حضرت امام صاحب کا اسم گرامی سنتے ہی میرا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا اور اس بے ادب کو معاف کر دیا۔ تمام اولیاء اللہ کی تعظیم اور محبت عامۂ مشائخ رحمۃ اللہ علیہم لازمی ہے اور اگر نفع اور استفادہ کے خیال سے اگر اپنے پیر کی افضلیت کا عقیدہ ظاہر کرے تو فرط محبت کی وجہ سے یہ کچھ بعید نہیں ہے۔ حضرت مجددؒ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں کہ آپ نے طریقۂ جدیدہ بیان فرمایا ہے و مقامات و کمالات اپنے طریقے کے بہت سے فرمائے اور اس طریقے کے چنیدہ اصحاب ان مقامات اور واردات تک پہونچے اور ہزاروں سے زیادہ ہوئے ہیں۔ اور ان مقامات میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ اور متواتر ہزاروں علماء و عقلا ہوئے ہیں اولیاء کے ساتھ برابری یا افضلت ان بزرگوں پر ظاہر نہیں کی کیونکہ وہ بزرگان دین اُن کے مشائخ میں سے ہیں۔ فرمایا ہے کہ اللہ کی طرف کو ارادہ کرنا اور تقویٰ اختیار کرنا ایسے سخت وقت میں بہت مشکل ہے کیونکہ معاملات میں تباہی پیدا ہو گئی ہے۔ شرع کے موافق عمل بند ہو گئے ہیں۔

اگر بظاہر فقہ کے فتوے پر عمل کرتے ہو تو نئی نئی باتوں اور بدعات سے پرہیز کرنا بہت غنیمت ہے۔ السماع یورث الرقۃ والرقۃ یجلب الرحمۃ غنا سے رقت پیدا ہوتی ہے اور رقت رحمت کو کھینچتی ہے۔ اس لئے جو کچھ اللہ کی رحمت کا باعث ہو وہ حرام کیوں ہو مزامیر کی حرمت میں اختلاف نہیں ہے لیکن دف کو عرسوں میں مباح کہا جاتا ہے۔ اور بانسری کو مکروہ۔ ایک روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم راستے میں تشریف لے جارہے تھے۔ بانسری کی آواز سمعِ مبارک میں پہونچی۔ حضرت نے اپنے کانوں کو بند فرمالیا اور عبداللہ بن عمرؓ کو آواز سننے سے منع نہیں فرمایا جو کہ حضرت کے ساتھ ساتھ تھے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ تقویٰ کا کمال اس طرح کی آواز سے احتراز کرنے میں ہے اور بزرگان نقش بندیہ اسی طریقہ پر قائم ہیں اور سماع سے اجتناب کرتے ہیں۔ اور غنا کے جائز ہونے میں علما کا اختلاف ہے۔ ترک کرنا ہی بہتر ہے۔ اسی طرح سے کمال تقویٰ کے باعث ذکر خفی اختیار کیا گیا ہے۔ اور ذکر جہر موقوف کر دیا ہے۔ اور فرماتے ہیں مسئلۂ توحید وجودی ضروریات دین سے نہیں ہے۔ شرع کی زبان اس معاملہ میں خاموش ہے۔ صوفیار علیہ الرحمہ نے کشف و وجدان کے ذریعہ سے اس کا بیان کیا ہے۔ وہ غلبۂ احوال محبت سے معذور رہیں۔ ارباب معرفت کے نزدیک رسائل توحید و تخیّل و معنیٰ لاموجودَ اِلّا اللہ سے توحید حاصل کرنا کوئی وقعت نہیں رکھتا ہے۔ عالموں میں سے کسی نے خواب میں دیکھا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ علمار نے صوفیا سے شکائتیں کرنا شروع کیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ان عزیزوں نے مسئلۂ وحدت الوجود شائع فرمایا ہے۔ اس لئے شرع میں خلل پیدا ہو گیا۔ بے باک لوگوں نے مُداہنت شروع کر دی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے اللہ کے ساتھ غلبۂ محبت کی وجہ سے سکوت فرمایا۔ ایک بار فقیر پر عروج واقع ہوا اور نور منبسط منکشف ہوا۔ ساری کائنات کے نقوش اس میں منقش تھے۔ حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کا قول یاد آیا الاشیار اعراض مجتمع فی عین واحد

تمام اشیائے اعراض ذات واحد میں جمع ہیں۔ ناگاہ متنبہ کیا گیا کہ اس مرتبہ کے اوپر دوسرا مرتبہ ہے۔ جیسا کہ صوفیائے نے فرمایا ہے۔

"فوقِ عالم الوجود عالم الملک لودود" عالم وجود کے اوپر عالم بادشاہ ودود ہے۔ اس لئے سلوک کے بیچ معارف توحید پیش آتے ہیں اور وہ علوم جو کہ بلا تاویل شرع کے موافق ہیں۔ اس کے بعد ظاہر ہوتے ہیں اور اولیائے اکابر کہ جن سے یہ علوم منقول ہیں۔ ان ترقیوں کے بارے میں فرمایا ہوگا۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب بھی چاہتا ہے کہ مخلصوں کے اخلاص میں ثبات رہے اور فیوض و برکات میں زیادتی کی جائے تو ان مخلصوں کے پیرومرشد کی شکل میں مشکلات حل کی جاتی ہیں اور کبھی اس بزرگ کے بعض لطائف اس کی صورت میں متمثل ہو کر کام کے پورے ہونے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اور اس بزرگ کو کبھی اس معاملہ کی اطلاع بھی ہو جاتی ہے۔ ایک شخص نے فقیر کے پاس آکر کہا کہ آپ کعبۂ معظمہ سے کب تشریف لائے ہیں۔ میں نے کہا میں کعبہ شریف کبھی نہیں گیا ہوں۔ اس نے کہا کہ میں نے آپ سے مکہ شریف میں ملاقات کی تھی اور ایک بیت کا مصرع جو کہ میں بھول گیا تھا۔ حضرت نے مجھ کو یاد دلایا تھا۔ تو چاہیئے کہ ایسے معاملات میں فخر و غرور نہیں کرنا چاہیئے۔ ہمارا تمہارا بہانہ بنا کر اللہ تعالیٰ وکیلِ امور و کارساز بن جاتا ہے۔

او بد لہا نماید خویش را

او بدوزد خرقۂ درویش را

فرماتے ہیں کہ پیری و مریدی اس طریقہ (طریقۂ نقش بندیہ) میں محض بیعت و شجرہ و کلاہ نہیں ہے۔ ذکرِ قلبی و جمعیت خاطر و توجہ الی اللہ مرشد کی صحبت سے حاصل کرنا ضروری ہے۔ فرماتے ہیں کہ طریقے کے اشغال میں مشغول ہونا حصولِ غلبۂ محبتِ الٰہی کے لئے ہے۔ کبھی محبتِ الٰہی کی افراط محض عطائی ہوتی ہے۔ لیکن ذکر پر مداومت شرائط کے ساتھ کرنا اس طریقے میں دوستانِ

خدا پر فرض ہے۔ تمام ارادوں اور مرادوں کو ترک کرتے ہوئے ذکر میں مشغول ہونا چاہیئے۔ بلا ذکر کی کثرت کے دل نہیں کھلتا ہے۔ اور جب کبھی ذکر میں حالات و بے خودی کی صورت پیدا ہو اس کا تحفظ کرنا چاہیئے۔ اور اگر ذکر پنہاں ہو جائے تو پھر سے ساتھ تضرّع والحاح کے کرنا چاہیئے۔ اسی طرح کی مشغولیت کو لازم کر لیا جائے۔ تاکہ ذکر کی کیفیت دوامی پیدا ہو جائے۔ اپنے اوقات کو ذکر و عبادت سے معمور رکھنا چاہیئے۔ اور یاد و ذکر دوامی کے ساتھ ساتھ سوائے ذات وحدہٗ لاشریک کے دوسری باتوں کی طرف متوجہ نہ ہونا چاہیئے اپنی ہمت و توجہ سوائے اسم مبارک اللہ کے کہ جس پر ایمان لایا ہے اور کسی طرف نہ لگائے۔ تاکہ ذکرِ دوامی و حضوری دوامی کا ملکہ راسخ ہو جائے۔ اور دین کامل جو کہ اسلام و ایمان و احسان ہے حاصل ہو جائے۔ جب بھی دل کی طرف متوجہ ہو۔ دل کو اللہ سبحانہ کے خیال میں لگائے رکھے۔ اگر اس اثناء میں ذوق و شوق و کیفیات دیگر کا حصول ہو تو یہ پاک پروردگار کی مزید عنائت ہے۔ لیکن اصل کام مرتبۂ حضوری و آگاہی کا حاصل ہونا ہے۔ دلِ سلیم کا ذاکر ہونا ضروری ہے واقعات اور خوابوں کا اتنا اعتبار نہیں ہے۔ اس حال میں بہت سے اشتباہ پیدا ہوتے ہیں۔ کبھی اتباع سنت کا نور، کبھی نورِ ذکر، کبھی نسبتِ مرشد، کبھی کثرتِ درود، کبھی خدمت سادات، کبھی درسِ حدیث، کبھی تصدیق و اخلاص بصورت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم واقعات میں ظاہر ہوتے ہیں اور اسی طرح کے روابط اولیاء اللہ کی خدمت سے ان اکابر کی صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور کبھی مشہور خبریں اور مقررات بصورتِ واقعہ کے ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ تمام شعبدے دل کو سرور پہونچاتے ہیں۔ مگر حقیقت میں کچھ نہیں ہیں۔ مگر زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ کا دیکھنا احوال و انوار باطن کو زیادہ کرتے ہیں اور توفیق طاعت زیادہ حاصل ہوتی ہے۔ حقیقت کے بموجب واقعات کا دیکھنا بیشک بہت بڑی کامیابی

ہے فرمایا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنا یا روئیت الٰہی کہ اس کو تجلّی صوری کہتے ہیں۔ اللہ بزرگ و برتر کی نعمت ہے۔ فرمایا ہے کہ خطرات و وسواس کے غلبے کے وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں التجا و تضرّع کرنا چاہیئے۔ اور صورت مرشد کو اپنا نصب العین بناتے ہوئے اس کے واسطے سے امراضِ باطنی کے ازالے کے لئے التماس بارگاہ رب العزت میں کرنا چاہیئے۔ عاجزی کی صفت کو لازم کرلینا چاہئے۔ جفائے خلق پر تحمّل وصبر کی عادت ڈالنی چاہیئے۔

چیست معراج فنا این نیستی　　　عاشقان را مذہب و دین نیستی

نظر بلند رکھنی چاہیئے ـــ امور کے جاری ہونے میں اُن کو مقدرات سے سمجھتے ہوئے چوں وچرا نہیں کرنا چاہئے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ خادم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اگر خدمت میں قصور فرماتے تو اہل بیت ان پر لعنت ملامت کرتے تھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ کہ کچھ مت کہو اگر مقدّر میں ہوگا تو ایسا کریں گے۔ فرماتے ہیں کہ ان سب باتوں کا مقصد یہ ہے کہ ان تکلیفات سے تہذیبِ اخلاق حاصل ہو جائے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں آیا ہے۔

"فَاِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیم" حدیث شریف میں آیا ہے۔ بُعِثْتُ لا تمم مکارم الاخلاق و ذکر نفی کی ورزش سے صفاتِ بشریت کم ہوتے ہیں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ کلمہ طیبّہ کی تکرار میں کلمۂ طیبّہ کی تکرار کے ساتھ ہر برائی کو چند روز تک نفی کیا جائے اور اس کی جگہ محبّت خدا کو اثبات کیا جائے حتیٰ کہ وہ ذمیمہ زائل ہو جائے۔ اور ہوائے نفس کے خلاف کسب مقامات سلوک کا کرنا چاہیئے امید کہ ذمائم حمایدنے تبدیل ہو جائیں۔ یعنی برائیاں خوبیوں میں تبدیل ہو جائیں۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ اگر سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا ہے تو یقین کر لو اور اگر سنو کہ کوئی اپنی جبلّت سے برگشتہ ہو گیا ہے تو یقین مت کرو لاتبدیل لخلق اللہ۔ امیر المومنین عمر فاروق رضؓ نے

فرمایا ہے کہ میرا غصہ نہیں گیا مگر اس سے پہلے کفر میں کام آتا تھا اب حمایتِ اسلام کے لئے ظہور میں آتا ہے۔ فرمایا ہے کہ بعد فنائے و اطمینان نفس سالک کا وصف تسلیم و رضا ہو جاتا ہے اور قلب کی فنائیت کے کے غلبہ محبّت کی وجہ سے عابدوں کے افعال مسلوب ہو جاتے ہیں اور سالک کے مشہود میں فاعل حقیقی کے سوا اور کچھ نہیں رہتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ کھانے پینے سونے جاگنے و اعمال و عبادات میں اعتدال و میانہ رَوی بہت مشکل کام ہے مگر کوشش معتدل رہنے کی کرنی چاہیئے۔ اوقات رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے موافق اوقات مضبوط ہوتے ہیں۔ اتباع انبیاء علیہم السّلام حدِ اعتدال پر رہنے کی عادت ڈالنے کے لئے ہے۔ اور ہر کام میں حکم "لِیَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ" نص قاطع ہے اس باب میں فرماتے ہیں کہ مبدء فیاض کی طرف دوامی توجہ سے فیض و برکات اتنے حاصل ہوتے ہیں کہ باطن محبت کے انوار و کیفیات سے لبریز ہو کر انوار و کیفیات باہر ریزش کرتے نظر آتے ہیں۔ اپنے اعمال میں قصور و کمی کو پیش نظر رکھ کر اللہ کی عنایات کا شکر گزار رہے جتنا عمل زیادہ کرے اللہ کی صفتِ بے نیازی سے خائف رہے۔ اپنے قصوروں پر عذر قبولیت کے لئے امیدِ واثق رکھے۔ تھوڑے اور چھوٹے گناہ کو بڑا سمجھے۔ تھوڑی نعمت کو زیادہ تصور کرے اور ہمیشہ اللہ کا شکر ادا کرتا رہے اور اظہارِ رضا و تسلیم کرے۔ فرماتے ہیں کہ درود شریف اور استغفار پڑھنا اس طریقہ پر چلنے والوں کا حال رہا ہے۔ نماز عصر کے بعد حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکتوبات کی مداومت رکھے کیوں ان میں شریعت، طریقت حقیقت و معرفت کے مسائل و نکات و اسرار سلوک و دقائق تصوف و انوار نسبت مع اللہ موجود ہیں اس سے ابواب سعادت کھلتے ہیں۔ دعائے حزب البحر صبح و شام کا وظیفہ و ختم شریف حضرات خواجگان قدس اللہ اسرارہم ہر روز حل مشکلات کے لئے پڑھنا چاہیئے۔ نماز تہجد ۱۲ رکعت سورہ اخلاص یا سورہ یٰسین کے ساتھ جس قدر

آسان ہو سکے پڑھتا رہے و نماز اشراق چار رکعت اور چاشت کی چار یا چھ رکعت اور زوال کی چار رکعت بیک سلام اور چھ یا بیس رکعت بعد سنت مغرب و چار رکعت بعد سنت عشاء و سنتِ عصر و تحیۃ وضو کی نوافل کے پڑھنے کی عادت کو لازم کرلے۔ تلاوت قرآن مجید ایک دو جزو و کلمہ تمجید و کلمۂ توحید سو سو بار سبحان اللہ و بحمدہٖ وقتِ صبح و وقت خواب سو بار و ادعیۂ وقتِ مقررہ کے جو کہ حدیث صحیح سے ثابت ہیں۔ مقرر کرلے لیکن ان اعمال میں حضور قلبی ضروری ہے۔ فرماتے ہیں کہ فنائیت کہ اس کی نشانی ماسوا سے بے شعوری اور دوام توجہ خدا کی طرف ہوتا ہے۔ اگرچہ اس طریقہ میں جلدی حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اس عالی مرتبہ کا حصول بعد مدت دراز حاصل ہوتا ہے۔ تیس سال خدمت مشائخ رحمۃ اللہ علیہم میں کسب مقامات اپنے طریقے کے کیے۔ اور اب ۳۰ سال سے زیادہ ہوگیا ہے کہ اب طالبان حق عزّ و جل کو تلقین طریقہ کر رہا ہوں۔ ساٹھ سال ہوگئے کہ بتوجہات حضرت سیدّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہ فنائے قلبی مشرف ہوا ہوں۔ اور اس مدت میں شغل باطن پوری کوشش کے ساتھ رکھتے ہوئے اس وقت آثار فنائے قلبی ویسے ہی ظاہر ہو رہے ہیں۔ حضرت نے فرمایا ہے کہ فنائیت کے درجہ کمال پر پہونچنے پر مجھ کو اکثر ایسا یقین ہوتا تھا کہ گویا میں اس جہان سے انتقال کر گیا ہوں اور اگر اسی وقت کسی نے آکر سلام کیا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا میری قبر پر آکر سلام کہہ رہا ہے ایک مرتبہ اس حالت سے جب افاقہ ہوا تو میں نے خیال کیا کہ میں ہنوز زندہ ہوں اور اس جگہ سے سامان سفر نہیں باندھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ فنا کے ظاہر ہونے کے وقت ایسی حالت ہوجاتی ہے کہ خدمت و تعظیم مردم سے تعجب پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک روز فقیر حضرت کی خدمت میں پنکھا ہلا رہا تھا کہ نہایت خشونت کے ساتھ منع فرمایا اور دوسرے روز خود حکم فرمایا کہ اٹھو پنکھا ہلاؤ فرمایا کہ کل نسبت فنائیہ کا ظہور ہو رہا تھا۔ میں نے خیال کیا کہ تم ہنسی مذاق میں ہوا کر رہے ہو

اسی لئے خشونت کے ساتھ منع کیا۔ اس وقت نسبت بقائیہ ظاہر ہو رہی ہے و تجلّیٔ عظمت کبریائے الٰہی باطن پر جلوہ گر ہو رہی ہے اگر ساری دنیا تعظیم کے لئے کھڑی ہو جائے اس مرتبہ کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اربابِ محبت و معرفت کے باطن پر تجلّیاتِ الٰہیہ کی شناخت بوقت ورود تجلّیات ایک مشکل کام ہے۔ نظرِ بصیرت بہت تیز چاہیئے تاکہ کیفیات تجلّیات جُدا جُدا معلوم ہو سکیں۔ فرماتے ہیں کہ بعد حصول مقامات طریقہ احوال سالک مثل مرقع تصویرات مختلف ہو جاتے ہیں۔ کبھی نسبتِ مقامی پر تو انداز ہو کر دوسری حالت پیدا کرتی ہے۔ لیکن خاندان احمدیہ سے متوسّل لوگوں کی نسبت کمالات و فوق پر پہونچتی ہے۔ تو لطافت و بے رنگی تجلّی ذاتی حالات سے ظاہر ہوتی ہے۔ کہ لطافت و صفا تمام مقامات سافلہ سے مؤثر ہوتی ہوئی کیفیات کو مستور کر دیتی ہے۔ واقعات و مقامات کہ اطفال طریقہ کے لئے دل خوش کن ہوتے ہیں۔ وہ بھی کم ہو جاتے ہیں۔ اور اس جگہ جہالت درجہالت محض ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ خلوت میں بیٹھ کر توجہ دوام اور حفظ نسبتِ باطنی مبدٔ فیّاض کی طرف رکھنی چاہیئے۔ اور اوقات کو اعمالِ ظاہری کی ادائیگی سے معمور رکھنا چاہیئے۔ کہ نورِ اعمال باعثِ جمعیت و صفا و نسبت و حضور آگاہی ہوتا ہے۔ فرمایا ہے کہ دوام مراقبہ سے قوت در نسبتِ باطن اور اشراف ملک و ملکوت بنظر بخشیش دلوں کو نوازش حاصل کراتی ہے اور کلمۂ تہلیل کے ذکر کی کثرت سے صفاتِ بشریت کو فنائیت حاصل ہوتی ہے اور درود شریف کی کثرت سے واقعات نیک اور کثرت نوافل سے انکسار و عاجزی اور شکستہ دلی پیدا ہوتی ہے اور کثرت تلاوت سے نور و صفائی حاصل ہوتی ہے۔ ذکرِ تہلیل بلحاظ معنی طریقہ میں اور صرف تکرار لفظ سے سرمایۂ ثوابِ آخرت حاصل ہوتا ہے اور گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ ذکر نفی اثبات حبس نفس کے ساتھ کم سے کم تین سو بار اس سے کم سے فائدہ حاصل نہیں ہوتا ہے۔ زیادہ جتنا ہو سکے مفید بتلاتے ہیں۔ لیکن دوام ذکر وقوفِ قلبی کے ساتھ توجہ

مبدئہ فیاض کی طرف اس طریقہ کا رکن مقرر کیا گیا ہے۔ حضرت مجددؒ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ہوش در دم اوّل دل کے ذکر میں ضروری ہے۔ جب ذکر قوت پکڑتا ہے اسم ذات کی آواز خیال کے کانوں تک پہونچتی ہے۔ اس لئے ہر سانس میں ذات الٰہی کی طرف توجہ اور آگاہی کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اندر کے خطرات کو بذریعہ خطرۂ دل کے پکڑنا چاہیئے۔ تاکہ وساوس اور حدیث نفس ہنگامہ برپا نہ کردیں۔ اور ہجوم خطرات فیض کے لئے مانع ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ کثرت اسم ذات کے نتیجہ میں نسبت جذبۂ الٰہی حاصل ہوتی ہے اور نفی اثبات سلوک میں قطع مسافت راہ کا فائدہ دیتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ مرتبہ ولایت میں کیفیات احوالِ باطنی سے حظ حاصل ہوتا ہے۔ کمالات نبوت میں وصف باطن نکارت وجہالت کے سوا نہیں لیکن مقامات فوق ہیں اگرچہ لطافت و بیرنگی لازم ہے۔ فرماتے ہیں کہ لطافت و بیرنگی نسبتِ مجددیہ سببِ انکار مردم ہوتی ہے۔ لہذا جب سیرِ سالک کمالات کو پہونچتی ہے۔ مجھ کو دل میں تردد پیدا ہوتا کہ مبادا طریقہ ترک نہ کردے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اگر عمر نے وفا کی سالکوں کو مقامات سافلہ سے مقامات عالیہ تک پہونچاؤں گا۔ مقصود خدا کے ساتھ ہونا اور باخدا رہنا اور اتباع سنت کرنا ہے اور وہ ہر مقام پر حاصل ہے۔

اتصالِ بےتکیف بے قیاس ہست ربّ النّاس را با نوعِ ناس

اور اس میں کوئی ذوق وشوق وحضوری حاصل نہیں ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ راہ وصول کمالات سے قریب ہے کہ مسدود ہو جاتی ہے۔ اور طریق ولایات مسلوک ہو جاتے ہیں۔ اور اس آخر زمانہ میں کی استعداد میں کوتاہی ظاہر کرتے ہوئے مقصود تک پہنچنا مشکل ہے۔ قریب ۳۰ سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا کہ سیر طالبانِ خدا جلدی ہوتی تھی۔ اور کشف وجدان اچھا رکھتے تھے۔ فی الحال اگر کوئی طالب صادق فقیر کے اصحاب میں سے اخلاص کے ساتھ کسب فیوض کے لئے کوشش کے قدم اٹھائے تو بعد مدتِ دراز بولائت قلبی یا فوق اس کے پر فائز ہو۔

مقاماتِ عالیہ مجددیہ پر پہونچنا سخت مشکل ہے۔ فرماتے ہیں کہ صحیح کشف کہ سالکوں کو سیر مقامات کے مطابق ظاہر ہوتا ہے بہت نادُرست ہے۔ اس لئے بشارات کا بتلانا خدا پر افترا اور سالک کو مغرور بنانا ہے۔ بغیر حالات و ورودِ واردات، دوام توجہ اِلی اللہ و جمیعت خاطر و تعمیر اوقاتِ وظائف اور عبادات اللہ کی عمدہ نعمتوں میں سے ہے۔ فرماتے ہیں کہ اربابِ شوق و ذوق کی نسبت گرم و تیز تاثیر رکھتی ہے۔ اور اہل قلب کو بہت زیادہ محظوظ کرتی ہے اور تمام طریقوں میں اہل اللہ کی کیفیات و تصرفات ہیں وہی نسبتِ شریفہ ارباب طلب کے لئے جذب فرماتی ہے۔ لیکن اہل اطمینان کی نسبت و جمیعت جو کہ کمال نبوت کے مرتبہ پر یا اس کے فوق مقام پر پہونچتے ہیں۔ اور یہ طریقہ مجددیہ کی خاصیت ہے۔ انوار بہت آتے ہیں اور سالک بہت جلد ترقی حاصل کرتا ہے تاثیر گرم کہ شوق کو بیتابی بخشتی ہے۔ بہت مفید ہے۔ لیکن پہلے زمانے میں ظہور جمیعت و طمانیت تھی۔ کما لایخفی لہذا اصحاب کو بے تابانہ حرکات سے منع کرتے ہیں۔ کہ سخت آواز و نعرے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ کے زمانے کے بعد پیدا ہوئے ہیں فرماتے ہیں کہ ضروری علم مسائل کا پڑھنا یا علما کی صحبت میں سُن کر سیکھنا صحتِ اعمال کے لئے لازمی ہے۔ فرماتے ہیں کہ علم حدیث جامع تفسیر و فقہ اور دقائقِ سلوک کا ہے۔ اس علم کی برکات سے نور ایمان میں ترقی ہوتی ہے اور نیک عمل کی توفیق اور اچھے اخلاق پیدا ہوتے ہیں تعجب ہے کہ غیر منسوخ حدیث کہ جس کو محدثین نے بیان کیا ہے۔ اس کے متعلق احوال ورواۃ معلوم ہیں۔ کہ کتنے واسطوں سے پہونچی ہے۔ اور نبی جو کہ معصوم ہوتے ہیں ان کی طرف خطا کا راستہ ہی نہیں ہوتا ہے ایسی حدیثوں پر عمل نہیں کرتے ہیں اور فقہ کی روائتیں کہ ان کے ناقل (نقل کرنے والے) قاضی اور مفتی ہیں۔ ان کے احوال ضبط و عدل معلوم نہیں ہیں اور دس واسطوں سے زیادہ پہونچتے ہیں اور اجتہاد کہ خطا و صواب ان کی شان سے ہے۔ معمول کر لیا گیا ہے۔ رَبَّنَا لَا تُؤاخِذنَا

اِنْ نَسِیْنَا اَوْ اَخْطَانَا ۔ فرمایا ہے کہ نکاح انبیا کی سنت ہے لیکن اس وقت کہ حلال رزق ملنا دشوار ہے اور جہالت بڑھ چکی ہے۔ زیادہ تر اولاد علم و ادب سے خالی ہے اور ننگی ہے۔ اور بدعات کے رواج کے سبب سے عقد (نکاح) میں خلل آتا ہے لہذا سالکان کے حق میں مجرّدانہ زندگی زیادہ بہتر ہے۔ تھوڑا رزق رکھ لینا اور مولیٰ کی عبادت میں لگ جانا اور شہر میں مشہور نہ ہونا اور کوئی وارث نہ چھوڑنا دولت ہے لہذا وہ بزرگ اور شریف بلحاظ حدیث کے ہے۔

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَغْبَطَ اَوْلِیَائِیْ عِنْدِیْ لَمُؤْمِنٌ خَفِیْفُ الْحَاذِ ذُوْحَظٍّ مِنَ الصَّلٰوۃِ اَحْسَنَ عِبَادَۃَ رَبِّہٖ وَاَطَاعَہٗ فِی السِّرِّ وَکَانَ فِی النَّاسِ لَایُشَارُ اِلَیْہِ بِالْاَصَابِعِ وَکَانَ رِزْقُہٗ کَفَافًا فَصَبَرَ عَلٰی ذَالِکَ ثُمَّ نَقَدَ بِیَدِہٖ فَقَالَ عُجِّلَتْ مَنِیَّتُہٗ قَلَّتْ بَوَاکِیْہِ قَلَّ تُرَاثُہٗ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَہ مشکواۃ میں احمد و ترمذی و ابن ماجہ سے حدیث منقول ہے کہ لائق رشک دوستوں میں سے میرے نزدیک وہ مومن ہے کہ قلیل المال ہے مگر نماز میں حلاوت رکھتا ہے اور عبادتِ مولیٰ اچھی کرتا ہے اور پوشیدہ اطاعت کرتا ہے لوگوں سے کہ اس کی طرف اشارہ نہ کریں انگلی سے۔ اور اس کا رزق حاجت کے مطابق ہوتا ہے۔

یوں تو آپ کے مکتوبات اور اشعار میں بھی جگہ جگہ شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کے دریا بہائے گئے ہیں۔ یہاں مذکورہ ملفوظات کے بعد آپ کے نصائح میں ہوش افزا نصائح سے اس مقالے کو خالی رکھنا بڑی محرومی ہوگی۔ لہذا وہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

نصائح ہوش افزا کہ باصحاب خود نمودند[1]

می فرمودند کہ طریق ورع وتقوی پیش گیر ومتابعت مصطفیٰ بجان بپذیر صلی اللہ علیہ وسلم احوالِ خود برکتاب وسنت عرض نما اگر موافق است شایان قبول انگار و اگر مخالفت است مردود پندار۔ بالتزام عقیدۂ اہل سنت وجماعت حدیث وفقہ آموز ودر صحبتِ علماء ثواب اخروی اندوز در عمل برحدیث عمل کن۔ اگر می توانی والّا گاہے بعمل آر تا از نور آن محروم نمانی عمل بہ نیّت اتباع حبیبِ خدا یا بہ محض رضاء مولیٰ اختیار کن ودل را از اغراض ہر دو جہاں بیزار کن عملت چیست کہ آں را در معرض بیع آری۔ استطاعت از کیست کہ آں را بخود منسوب پنداری بالتزام خلوت صفائی وقت بدست آر کہ سرمایۂ درویشی نقدِ صفا است درعبادت وذکر خدا را گرم ساز عمل امروز برفردا مینداز در محبّتِ مشائخ رسوخِ عقیدت بیفزار کہ دوستی دوستانِ خدا است۔ موجبِ قرب خدا در حضور پیر التفات بہ غیر منما ودر صحبتِ او بر نوافل طاعت میفزا تا ممکن است اوقات بصبر وتوکل بسر کن واندیشۂ التجا بغیر از سر بدر کن کار خود را بخدا سپار وموت یقین وصدق وعدا ور اسرمایۂ خلوت انگار۔ در دلِ تو اگر تردّد نیست عزلت می باید کہ رزق بوقت معین خود می آید۔ اگر اندیشہ عیال تشویش فرما است تشبث باسباب سنتِ انبیاء است علیہم السّلام وجہ معین کہ دل را بر آں اعتماد نبود منافیٔ توکل وسبیلِ شاد نبود راس المال فقیر را فراغ بال وجمعیت خاطر است۔ ودلِ وارستہ در انتظار مقصود ناظر مبادا جمعیت تفرقہ بدل شود ودر توجہ ویکسوئی خاطر خلل شود قناعت پیشہ گیر۔ حرص وطمع از دل برگیر از یار واغیار

---

[1] مقامات مظہری از سید شاہ غلام علی صفحہ ۵۰

نا امید باش و بود و نابود شاں یکے شناس در ہیچ کس بچشمِ حقارت منگر و خود را از ہمہ کمتر و قاصر شمر در راہِ طلب مولیٰ کبراز سر بنہ و نقدِ غرور از کف بیروں دہ ازیں جا گفتہ اند درویشی آنست کہ آنچہ در سر داری بنہی از آنچہ بر سر آید نجہی و از اندیشۂ دی و فردا برہی۔ بر طاعت و عبادتِ خود و دیدِ قصور و نیستی راس مایۂ خود ساز مخالفتِ نفس چندانکہ بود زیبا است۔ اما نہ آنقدر کہ تنگ آید۔ و نشاط شوق در طاعت نیفزاید۔ گاہے با او مواسات باید نمود کہ رضار نفس مومنِ موجبِ ثواب می گردد یک بار نفس فقیر متمثل گردیدہ آرزو کرد کہ مرا ایں چنیں طعام بخوراند ہر مقصودے کہ دارد بر آید اتفاقاً در آں وقت کسی نبود کہ با او گفتہ شود باز بعد مدتے متشکل گشتہ التماس طعامے نمود۔ شخصے در آں وقت حاضر بود یا ام فقیر آں طعام مہیا نمود عقدۂ مشکل داشت کہ بناخنِ ہیچ تدبیر وا نمی شد باین عمل منحل گشت۔ می فرمودند طعام اگر بہ نیت اداءِ حسن شکر بامزہ سازند احسن می نماید کہ در صورت بے مزگی شکر از تہِ دل نمی بر آید۔ طعامِ لذیذ را با آمیزش آب بے مزہ ساختن نعمت الٰہی را بخاک انداختن است پیغامبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مرغوب تناول می فرمودند و اگر رغبتے نبود دست باز می نمودند۔ نفوسِ ما مثل حضرت جُنید و شبلی نیست رحمۃ اللہ علیہما کہ تلخی را شکر انگارند و گویند الصبر تجرع المرارۃ بلا عبوست الوجہ۔ شکرے کہ محض بر زبان بود شعبۂ صبر است کہ تلخی آں در جان بود بزیارتِ مزاراتِ اولیاء دریوزہ فیض جمعیت کُن و ارواح طیبہ مشائخ کرام را باتحاف ثوابِ فاتحہ و درود بجنابِ الٰہی وسیلہ ساز کہ سعادت ظاہر و باطن ازیں معنی حاصل است اما مبتدیان را بغیر تصفیہ قلبی از قبورِ اولیاء حصولِ فیض متعسر است لہذا حضرت خواجہ نقش بند قدس اللہ سرہٗ العزیز فرمودہ اند کہ مجاور بودن حق سبحانہٗ از مجاورتِ قبور اولی است۔ و برسوم متعارفہ از عرس و چراغاں مقید مباش کہ ایں معنی مستلزم سوال خیمہ و فروش و عدم حفظِ مراتب از ازدحامِ مردم می گردد و زرِ نقد خفیہ بارباب احتیاج

دادن اسرع است بثواب "۔

ترجمہ اردو نصائح ہوش افزا جو کہ حضرت نے اپنے اصحاب کو فرمائے ہیں کہ پرہیزگاری اور تقویٰ کا طریقہ اختیار کرو اتباع رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم دل وجان سے کرو۔ اپنے احوال کو قرآن وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا کر دیکھو اگر کتاب وسنت کے موافق ہیں تو ہیں تو قبول کیے جانے جانے کے لائق ہیں۔ اور اگر احوال کتاب وسنت کے مخالف ہیں تو ان کو مردود تصور کرو۔ عقیدۂ اہل سنت والجماعت کو اپنے لئے لازمی کرلو حدیث اور فقہ کو سیکھو اور علماء کی صحبت سے ثواب آخرت جمع کرو۔ حدیث پر ہمیشگی کے ساتھ عمل کرو اگر ہو سکے تو ورنہ کبھی عمل میں لاؤ تاکہ اس کے نور سے محروم نہ ہو عمل اتّباع رسول خدا صلی اللہ کی نیت سے یا پھر رضائے مولیٰ کے لئے اختیار کرو۔ اور دل کو دونوں جہاں کی اغراض سے بیزار کرلو۔ تیرا عمل کیا ہے کہ اس کو بیع کرے۔ اور کس کو استطاعت ہے کہ اپنے سے منسوب کرے۔ خلوت کو اپنے اوپر لازم کر کے صفائی حاصل کر کہ فقیروں کا سرمایہ تو یہی صفائی وپاکیزگی ہے۔ اسبابِ دنیا سے جو کچھ لے مختصر لے کہ دینوی ساز وسامان میں سے ایک ایک تنکے کا حساب کل دینا ہے۔ اپنے کو عبادت اور ذکر خدا سے گرم رکھ۔ آج کے عمل کو کل پر مت چھوڑ مشائخ رحمۃ اللہ کی محبّت کے لئے رسوخ اور عقیدت پیدا کر۔ کہ خدا کے دوستوں کی دوستی خدا کے قربت کا باعث ہوتی ہے۔ اپنے پیر کے روبرو دوسروں کی طرف توجہ نہ کرو اور پیر کی صحبت میں طاعتِ نوافل مت کرو۔ جتنا ممکن ہو سکے اپنے اوقات کو صبر وتوکّل کے ساتھ بسر کرو اور دوسروں سے حاجت مندی کی خواہش کو سر سے نکال دو اپنے امور کو خدا کو سونپ دو۔ موت یقینی اور سچّا وعدہ ہے اس کو خلوت کا سرمایہ بناؤ۔ اگر تیرے دل میں پریشانی اور تشویش نہ ہو تو عزلت (تنہائی) اختیار کر۔ کیونکہ رزق اپنے معینہ وقت پر خود

بخود پہنچتا ہے۔ اور اگر اہل و عیال کی وجہ سے فکر مند ہے تو اسباب پر عمل کرنا انبیاء کی سنت ہے۔ مقررہ معین روزی کہ جس پر بھروسہ نہ ہو توکل کے منافی نہیں ہے۔ فقیر کا راس المال تو سکونِ قلبی اور جمیعت خاطری ہی ہے۔ آزاد دل کو مقصود کی طرف نظر لگائے رکھنے والا امت بناؤ کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جمیعت خاطری میں تبدیلی پیدا ہو جائے۔ اور تفرقہ پڑ جائے۔ اور یکسوئی میں خلل پیدا ہو جائے۔ قناعت کو اپنے اوپر لازم کر لو۔ حرص و طمع کو دل سے نکال کر پھینک دو۔ دوست و غیر دوست سے ناامید ہو جاؤ۔ اور ان کا ہونا نہ ہونا ایک ہی طرح کا سمجھو۔ کسی کو بھی حقارت کی نظر سے مت دیکھو۔ خود کو سب سے کمتر اور قصوروار شمار کرو۔ طلب مولیٰ کے راستے میں غرور کو سر میں سے نکال کر پھینک دو۔ غرور کی پونجی کو ہاتھ سے پھینک دو۔ اِسی جگہ کہا گیا ہے کہ درویشی یہ ہے کہ جو کچھ سر میں رکھتا ہو اس سے سر کو خالی کر دے اور جو کچھ سر پر آپڑے اس سے نہ بھاگے۔ اور آج کل کے اندیشہ سے اپنے کو آزاد رکھو اپنی طاعت اور عبادت پر غرور مت کرو۔ اپنے کو قصوروار سمجھو اور نہ ہونے کو اپنا سرمایہ بناؤ۔ نفس کی مخالفت جتنی بھی ہو سکے زیبا ہے۔ لیکن نہ اتنی کہ نفس تنگ ہو جائے اور خوشی و شوق عبادت میں نہ بڑھائے تو کبھی کبھی اس کی غم خواری کرنی چاہیئے۔ یا دوستی و صلح کرنی چاہیئے۔ کیونکہ رضائے نفسِ مومن ثواب کا باعث ہوتی ہے۔ ایک بار فقیر کے نفس نے سامنے آکر آرزو یعنی خواہش کی کہ مجھ کو اس طرح کا کھانا کھلاؤ۔ جو کوئی مقصود رکھتے ہو پورا ہو جاوے اتفاقاً اس وقت کوئی نہ تھا کہ اس سے کھانا لانے کو کہا جاتا بعد مدت کے پھر ایک بار متشکل ہو کر سامنے آیا اور کھانے کے لئے التماس کیا۔ ایک شخص اس وقت موجود تھا فقیر کے حکم دینے پر وہ کھانا مہیا کیا گیا۔ ایک ایسا معاملہ تھا کہ وہ کسی ذریعہ اور طریقہ سے حل نہیں ہو رہا تھا۔ اس عمل کے ذریعہ سے حل ہو گیا۔ فرمایا ہے کہ اگر کھانا شکر یہ اچھی طرح ادا کرنے کی نیت سے لذیذ اور بامزہ پکایا جائے تو بہت اچھا ہے کہ بے مزگی کی حالت

میں شکرانہ تہ دل سے نہیں نکلتا ہے۔ لذیذ کھانے کو پانی کی ملاوٹ سے بے مزہ کرنا۔ اللہ کی نعمت کو خاک میں ملانے کے برابر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مرغوب کھانا تناول فرما لیتے تھے اور اگر کسی کھانے کی طرف رغبت نہ ہوتی تھی اس میں ہاتھ پھر نہیں ڈالتے تھے۔ ہم لوگوں کے نفوس مثل جنیدؒ و شبلی کے نہیں ہیں۔ کہ تلخی کو شکر سمجھ لیں۔ تلخی کو بلا منہ بگاڑے ہوئے پی لیں۔ وہ شکر جو کہ محض زبان پر ہوتا ہے نہ دل سے نہیں ہوتا ہے تو ایسا شکر تو صبر کا ایک درجہ ہے۔ کیونکہ اس کی تلخی جان کے اندر رہتی ہے۔ اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت کر کے فیوض حاصل کرو۔ اور مشائخ کرام کی ارواح کو فاتحہ اور درود کے تحفے پہنچا کر بارگاہ الٰہی کے لئے وسیلہ بناؤ۔ کیونکہ اس ذریعہ سے سعادت ظاہری و باطنی حاصل ہوتی ہے۔ لیکن مبتدیوں کو جب تک صفائی قلب حاصل نہ ہو قبور اولیاء سے فیض مشکل ہے۔ لہذا حضرت خواجہ نقش بند قدس سرہ العزیز نے فرمایا ہے کہ اللہ کے سامنے مجاور بننا قبروں کی مجاورت سے بہتر ہے۔ عرس و چراغاں کے لئے قیود کو اپنے اوپر لازم نہ کرو۔ کیونکہ اس کے لئے خیمہ و فرش و فروش مہیا کرنے کے لئے سوال کرنے کی ضرورت پڑے گی اور ازدحام و بھیڑ بھاڑ میں حفظ مراتب بزرگان بھی ممکن نہیں۔ حاجت مند کی خفیہ طور پر زرِ نقد سے امداد کرنے سے ثواب جلدی ملتا ہے۔

مکتوبات مرزا صاحبؒ

میرزا صاحب کی دیگر تصانیف میں ان کے مکتوبات بھی ہیں جو کہ اس زمانہ اور رواج کے مطابق فارسی میں تحریر کئے گئے ہیں۔ حضرت میرزا صاحب کے مکتوبات کلمات قدسیہ کے نام سے معمولات مظہریہ میں بطور انتخاب عبارت کے موجود ہیں حضرت سید شاہ غلام علی صاحب کی تصنیف مقامات مظہری میں حضرت

میرزا صاحب کے ۲۳ خطوط شامل ہیں۔ اس کے بعد کلمات طیّبات مؤلفہ مولوی حافظ محمد علی صاحب مراد آبادی جس پر حاشیہ مولوی محمد قمر الدین صاحب مراد آبادی کا ہے اور یہ کتاب حسب فرمائش مولانا نجم الدین صاحب تالیف کی گئی ہے۔

اس کلمات طیبات میں کل ۸۸ مکتوبات موجود ہیں۔ ۱۹۶۶ء میں جناب عبد الرزاق صاحب قریشی نے اس عاجز کے پیر و مرشد حضرت مولانا شاہ زید ابوالحسن شاہ صاحب فاروقی مجددی سے حاصل کر کے انھیں کی اجازت سے علوی بک ڈپو محمد علی روڈ بمبئی نمبر ۳ سے مکاتیب میرزا مظہر کے نام سے ایک مجموعہ خطوط شائع کیا ہے۔ اس سے پہلے ایک مجموعہ مکتوبات رقعات کرامت سعادت شمس الدین حبیب اللہ میرزا مظہر جاناں مظہر شہید رضی اللہ عنہ کے نام سے مطبع فتح الاخبار کول سے چھپ چکا ہے جس میں کل ۶۳ مکتوبات ہیں۔ ان مکتوبات کا اردو ترجمہ خلیق انجم دہلوی نے ۱۹۶۲ء میں میرزا مظہر جان جاناں کے خطوط کے نام سے شائع کیا ہے۔

بہرصورت سب سے بعد کا مجموعہ قریشی صاحب کا ہے۔

مکتوبات مرزا صاحب کی خصوصیّات

اگر آج ہم کو کسی پہلے زمانے کے کسی کے خطوط مل جائیں تو ان خطوط سے لکھنے والے کے حالات زندگی جن کو خطوط لکھے گئے ہیں اُن کے حالات زندگی اور اور اس زمانہ کے حالات کا بہت کچھ پتہ چلتا ہے۔ یہی حال حضرت میرزا صاحب کے خطوطِ کا ہے۔ آپ کے خطوط سے آپ کی زندگی، مذاقِ زندگی، مزاجی کیفیات عزیز و اقربہ اہلِ زمانہ رعایا اور بادشاہ دین و مذہب سب معاملات پر رُوز روشن کی طرح روشنی پڑتی ہے۔ چونکہ نجی خطوط میں واقعات و حقائق میں تصنع تکلفات اور دروغ گوئی سے عام طور پر کوئی کام نہیں لینا ہے۔ پھر یہاں تو

ایک صوفی صافی صاحبِ دل۔ متبعِ سنتِ خیر الوریٰ کے خطوط کا معاملہ ہے۔ لہذا یہ خطوط حضرت کی زندگی حضرت کے اہل و عیال و مریدین و معتقدین کے حالات زندگی کی سچی اور واقعی تصویر پیش کرتے ہیں چونکہ حضرت میرزا صاحب کے اصحابِ دینی اور معتقدین میں سے بہت سے صاحبِ حکومت یا حکومت سے متعلق تھے اور حضرت کو اپنے ان عزیزوں کے خطوط کا جواب لکھنا پڑتا تھا اور عزیزوں کو دینی اور دنیوی امور میں اپنے حکیم روحانی سے ہر طرح کا مشورہ اور سامانِ سکون ملتا تھا چونکہ آپ ایک صاحبِ دل بزرگ تھے۔ اس لئے اہل حکومت کو اپنی پریشانیوں کے لئے بزرگان دین کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا کیونکہ بزرگان دین کی دعاؤں میں اتنا اثر ہوتا ہے کہ اگر کمان سے نکلے ہوئے تیر کو کہدیں کہ واپس آجا تو تیر واپس آجائے گا جیسا کہ مولانائے روم ؒ نے اپنی مثنوی شریف فرمایا ہے۔

اولیا را ہست قدرت از الٰہ   تیر جستہ را باز گرداند ز راہ

ڈاکٹر اقبال نے اور واضح اور صاف اور سادہ زبانِ اردو میں اہل اللہ کی قوت کا اظہار فرمایا ہے۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اور آگے بھی کہہ گئے۔

تمنا درد دل ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موجِ نفس ان کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں

بہرصورت حضرت میرزا صاحب کا عہد مغل سلطنت کے زوال کا عہد

تھا۔ معاشی و ملکی حالات میں ابتری پھیلی ہوئی تھی اور رعایا سے لے کر بادشاہ تک پریشان تھے۔ ہر شخص اپنے دلوں کا سکون تلاش کرنا چاہتا تھا مگر وہ کہاں ملتا خوش قسمتی سے اس زمانہ میں حضرت میرزا صاحب جیسے اور خواجہ میر درد جیسے اللہ والے بزرگ موجود تھے۔ لوگوں کو ان کے دامن سے وابستہ ہو جانے پر سکون حاصل ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بے شمار حکمانِ وقت اور اہلِ حکومت حضرت میرزا صاحب کے دامنِ شفقت سے وابستہ ہو کر اپنے مضطرب قلوب کے لئے سامانِ سکون حاصل کرتے تھے۔ جب ایسے شیخ سے وابستگی ہو تو وہ اپنی ہر پریشانی اپنے حکیم روحانی کے سامنے رکھتے تھے اور وہاں اس پریشانی کا علاج و ازالہ فرمایا جاتا تھا۔ ان حالات میں یہ بات تو ہوتی نہیں ہے کہ ہر وقت ہر شخص کو حضرت کی خدمت میں حاضری ہو جائے۔ کوئی کہیں تو کوئی کہیں ہوتا تھا تو ان کو بذریعہ خطوط اپنے معاملات اور پریشانیاں اپنے پیر و شیخ کو تحریر کرنا پڑتی تھیں۔ اور شیخ کی جانب سے دوا، دعا، اور مشورے اپنے متعلقین کیلئے ضروری تھے اور یہ مشورے ان لوگوں کے پریشانیوں سے بھرے خطوط پر بذریعہ خطوط اور مکتوبات دئے جاتے تھے۔ چونکہ واقعات یہ تھے۔ اسی لئے حضرت کے خطوط اس زمانہ اور حضرت کے خود کے اعزا و اقربا کے واقعات زندگی کا آئینہ ہیں۔ اب حضرت کے مکتوبات سے دیکھنا ہے کہ ہم کو اس زمانہ کی کیا کیا باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

ایک مکتوب سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت کے ایک عزیز حضرت سے ان کا حسب و نسب دریافت کرتے ہیں۔ ایک بار حسب و نسب کی معلومات کیلئے التماس کرتے ہیں تو ان کو حسب و نسب کی بابت کچھ بھی لکھنے سے تغافل کیا جاتا ہے۔ مگر وہ دوبارہ لکھتے ہیں تو حضرت فرماتے ہیں کہ چونکہ اس میں کوئی خاص فائدہ نہیں تھا اس لئے میں نے تغافل کیا تھا۔ آج انسان جو کہ مٹی سے پیدا ہوا۔ مٹی ہی میں مل جائے گا۔ اپنے حسب و نسب پر فخر کرتا ہے۔ حضرت میرزا صاحب

کی عاجزی دیکھئے کہ اپنے حسب و نسب پر فخر سے پہلے فرماتے ہیں کہ "اس فقیر کے سرمایۂ وجود کا آغاز ایک قطرۂ آب اور انجام ایک مشتِ خاک" پھر اسی خط سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا تعلق شاہانِ مغلیہ سے ہے گویا تاریخی حالات پر بھی روشنی پڑی۔ آپ جب یتیم ہوئے اس وقت آپ کی عمر سولہ سال تھی۔ ۲۰ سال کی عمر میں کمرِ ہمت باندھ کر دنیا سے ہاتھ اٹھا لیا۔ کس طرح آپ نے علم پڑھا، کس کس سے مرید ہوئے؟ کون کون سلاسل کا خرقۂ خلافت حاصل ہوا یہ سب باتیں خطوط سے پوری طرح واضح ہیں۔ آپ کے تبحرِ علمی کا پتہ آپ کے خطوط سے چلتا ہے کہ شریعت طریقت حقیقت معرفت کے مقامات کی ہر چیز کو اپنے اعزا کو معلومات کراتے ہیں اور شبہات پر تسلّی بخش جواب دیتے ہیں۔

"مخدوما ایں بار دو شبہ نوشتہ اند یکے آنکہ خلفائے حضرتِ سرہند دعوائے کمالات و مقامات بلند می کنند و آثار آں مثل اولیائے متقدمین ازیں ہا بظہور نمی رسد۔ دوم آنکہ مریدانِ خود را بہ بشارتہائے عالی می دہند[1]" وحالات آنہا دلالت برآں بشارتہا نمی کنند" حضرت والا شان ہر شبہ کا جواب اپنے تبحرِ علمی شریعت اور طریقت کی بنا پر دیتے ہیں۔ جیسا کہ شبہ دوم کا جواب دیتے ہوئے مرقوم فرماتے ہیں۔

"آنکہ دریافتن آثارِ باطنی اہلِ کمال امر آسان نیست علی الخصوص ادراکِ نسبتِ بے کیف ایں طریقہ کارِ ہر عمرو زید نہ امّا از اربابِ قرب است صحیحہ مخفی نیست"

مولانا محمد حسین آزاد نے خدا جانے کس طرح لکھ دیا کہ آپ کی تعلیم عالمانہ نہ تھی۔ بھلا غور کا مقام ہے کہ آپ نے علمائے ربّانی جو علمائے عصر تھے اُن سے تعلیم حاصل کی اور پھر ایسے ایسے مسائل اپنے مکتوبات میں حل کئے

---

[1] کلماتِ طیّبات مکتوب نمبر ۲ صفحہ ۱۴، ۱۵

ہیں۔ اگر گستاخی نہ ہو تو میں کہہ سکتا ہوں۔ کیا مولانا آزاد کی طاقت تھی جو ان مذکورہ مسائل کا جواب دے سکتے ۔ لہذا کہنا پڑتا ہے کہ کسی غلط فہمی کی وجہ سے آزاد صاحب ایسا لکھ گئے ہوں گے۔ ایک مکتوب میں حضرت سے دریافت کیا گیا۔ "پرسیدہ بودند کہ لفظ نسبت در اصطلاح صوفیہ چہ معنی دارند"[1] پھر اس کا جواب کافی وشافی حضرت میرزا جیسے بزرگوں اور عالمان ربانی کا ہی کام تھا۔

محذو ماسوالِ شما کہ بعد حصول فنا کہ مستلزم دوامِ حضور است گاہ غفلتے جنابِ حق تعالیٰ رو میدہد سبب چیست[2]"۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی جیسے جید عالم اور مرید رشید حضرت پیر مرشد کی خدمت میں دریافت فرماتے ہیں کہ جناب قیوم ربانی مجدد الف ثانی اور محبوب سبحانی شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں کس کو افضلیت حاصل ہے؟ کیسا سوال کیسا دریافت کرنے والا اور کیسے سمجھانے والے خدا کی شان سبحان اللہ مکتوب نمبر ۷ کلمات طیبات کی عبارت ملاحظہ ہو۔" بعد حمد وصلوہ از فقیر جانِ جاناں مطالعہ نمائند کہ التفات نامہ مشتمل بر فضل یکے بر دیگرے ازیں ہر دو جناب یعنی جناب قیومِ ربانی مجدد الف ثانی ومحبوبِ سبحانی عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسید۔" جواب حضرت کس طرح فرماتے ہیں "مقر فضائلِ ایں ہر دو بزرگان باید بود دریں باب لب از ادب نباید کشود کہ ایں مسئلہ از ضروریاتِ دینی نیست کہ تکلم دراں ضرور باشد و از دیوانگیہائے عشقی کہ مارا بجناب حضرتِ مجدد است دم زدن مناسب نیست کہ حرف از عالم عقل می رود۔

---

[1] کلمات طیبات مکتوب نمبر ۳ صفحہ ۱۶

[2] کلمات طیبات مکتوب نمبر ۴ صفحہ ۱۷ ۱۸

رباعی

ہرگز در بیش و کم نمی باید زد   از حد بیروں قدم نمی باید زد
عالم ہمہ مرآت جمال ازلی است   می باید دید و دم نمی باید زد[1]

کیسا شافی جواب ہے کہ بیش و کم کی فکر میں نہیں پڑنا چاہئے۔ اپنی حد سے باہر قدم نہیں رکھنا چاہئے۔ یہ تمام عالم جمال ازلی کا آئینہ ہے۔ دیکھنا چاہیئے۔ دم نہیں مارنا چاہیئے۔ اس طرح بے شمار معاملات اور مسائل ہیں۔ یہاں تو بطور اختصار حالات و واقعات پر روشنی ڈالنی ہے پوری واقفیت کے لئے آپ کے تمام مکتوبات کا مطالعہ ضروری ہے۔ ہندوستان کے غیر مسلمان لوگوں کی بابت آپ سے سوال کیا گیا کہ کفّار ہند بھی مشرکین عرب کی طرح بے اصل دین رکھتے ہیں یا اس دین کی کوئی اصل تھی جو بعد میں منسوخ ہوگئی۔ آپ نے قرآن شریف کی آئت وَاِن مِّنۡ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیۡہَا نَذِیۡرٌ اور وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوۡلٌ۔ کوئی اُمّت ایسی نہیں ہے کہ جس میں رسول نہ بھیجا گیا ہو۔ دوسری آئت کے بموجب ممالک ہند میں بھی انبیا بھیجے گئے۔ ہندؤں کے متعلق آپ کے کیا خیالات ہیں فرماتے ہیں اس دین کے قواعد وضوابط میں مکمل نظم ونسق ہے پس معلوم ہوا کہ یہ مرتّب دین تھا اور اب منسوخ ہوگیا اِن کی بُت پرستی صوفیا کے عمل ذکر رابطہ سے مشابہت رکھتی ہے۔ جو مسلمان صوفیوں کا طریقہ ہے۔ کہ اپنے پیر کی صورت کا تصور کرتے ہیں۔ اور اس سے فیض پاتے ہیں اور حضرت نے یہاں تک فرما دیا ہے کہ تناسخ پر اعتقاد رکھنے سے کفر لازم نہیں آتا ہے۔

آپ کے مکتوبات سے جیساکہ حضرات امثلہ پیش کرتے ہیں کہ آپ کی مبتلایانہ زندگی کی پریشانیاں نمایاں ہوکر سامنے آتی ہیں۔ انھوں نے مردم محل سے جھگڑے کا اظہار کیا ہے۔ ان باتوں کا مطالعہ کرنے والوں کو حضرت کے اور خطوط کی ان

---

[1] کلمات طیبات مکتوب ۷

باتوں پر بھی غور کرنا چاہیئے۔ کہ واقعی آپ کی زندگی میں آپ کو بے حد پریشانیاں آئیں۔ حضرت کی بیوی صاحبہ حضرت کی زوجہ محترمہ کی سودائی پن کی حالت آپ کے لئے نہایت پریشان کُن تھی۔ مگر آپ اللہ کے شیر تھے اور تلخی کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتے تھے۔ اسی لئے اپنے مکتوب نمبر ۲۴ بنام میر مسلمان میں تحریر فرماتے ہیں۔

"خدا کا شکر ہے کہ تمام توکل و تاہلّ متعلقان کے مرض دائمی اور دیران شہر کے فساد زماں کے بڑے اطمینان سے بسر ہوتی ہے۔ نحمدہ و نستعینہ ہم اللہ کی تعریف کرتے ہیں اور اس سے مدد مانگتے ہیں۔

"الحمد للہ باہمہ توکّل و تاہلّ و مرض دائمی متعلقان و ویرانیٔ شہر و فسادِ زماں باکمالِ جمعیت بسر بردہ می شود نحمدہٗ و نستعینہٗ"[۱]

حضرت بیوی صاحبہ بھی مرض سودا کی وجہ سے معذور تھیں اور خدا کی شان کہ ان کو یہ بیماری دی گئی تھی۔ اسی لئے وہ بیماری کی وجہ سے اپنی حالت سے معذور اور مجبور تھیں۔ بقول شاعر ؎

"خوشی سے اپنی رسوائی گوارا ہو نہیں سکتی
گریباں پھاڑتا ہے تنگ جب دیوانہ آتا ہے"

یہ بات بھی غور طلب ہے کہ ایک ایسے محبوبِ خدا کی محبوبہ میں مرض سودا کا اگر نقص تھا تو کوئی خوبی بھی ضرور ہو گی۔

حضرت میرزا صاحب نے اپنے وصیت نامہ میں فرمایا ہے کہ اس مستورہ نے عارضۂ سودا اور طویل عمری کی وجہ سے مجھے پریشان کیا ہے جو دوستوں سے مخفی نہیں ہے۔ لیکن میں نے سب معاف کر دیا ہے اس محبّت کے خیال سے جو انھیں خدا اور اس کے رسول ؐ سے ہے میرے مخلصوں پر میرے حقِ وفا کے مطابق ان کی دلجوئی لازم ہے۔

---

[۱] مکتوب نمبر ۲۴ کلمات طیبات صفحہ ۴۰

"واین مستورہ بنا بر عارضۂ سودا در طول عمر ناسازیہا بسیار با فقیر کردہ چنانچہ مخفی از اعزّہ نیست اماں ازاں ہمہ عفو کردم وبحرمتِ آنکہ اور ا باخدائے تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم محبّتی بلکہ با من است کہ بر من ثابت است مخلصانِ مرا پس از من بقدر مقدور بحقِ وفا دلجوئی او لازم است"

ان حقائق سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت بیوی صاحبہ اپنے مرض سودا کی وجہ سے معذور تھیں لیکن ان میں خوبی سب سے بڑی یہ تھی کہ باوجود سودا ہونے کے اللہ اور اللہ کے رسولؐ سے محبّت تھی اور خود حضرت میرزا صاحب سے محبّت تھی۔ جس کو اللہ سے اور اس کے رسول سے محبّت ہو وہ ہمارا دشمن بھی ہو تو باعث تعظیم ہے اور یہ تو ہمارے جدّ امجد اور سرتاج کی بیوی صاحبہ تھیں۔ جب خود حضرت نے اُن کو معاف کر دیا تو دوسروں کو حق حاصل نہیں کہ ان کی شان میں طعن تشنیع کر کے گستاخی کرے۔

حضرت میرزا صاحب کے مکتوبات سے اس زمانہ کے عام فسادات مرہٹوں اور سکھوں کی لوٹ مار غارت گری کے حالات پوری طرح سے واضح ہوجاتے ہیں۔ جیساکہ تحریر فرماتے ہیں۔

مکتوب ۲۸ - بنام مولوی ثناءاللہ سنبھلی

"ختم حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر روز بعد حلقہ صبح لازم گیرید وبجنابِ او امید وار و از غیر او نا امید باشید و از آشوبِ کفارِ مرہٹہ اندیشہ نہ کنید انشاءاللہ تعالیٰ دوستانرا مضرتی نخواہد رسید و برائے دفع بلیّہ ہا در قرأتِ سورۂ لایلاف ہر قدر توانید اکثار نمائید و در فتح و نصرت لشکر اسلام بر کفار دعا و صرف ہمت واجب است و غافل نہ باشید۔ اگرچہ احوال مسلمانان این قوم معلوم اماّ حق اسلام بر ہمہ امور مقدّست"

حضرت کے اس مکتوب سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ اس وقت مسلمانوں کے کردار و احوال اچھے نہ تھے۔ جو کہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس قوم کے مسلمانوں کا

حال معلوم ہے لیکن اسلام کا حق تمام امور میں مقدّم ہے۔ یعنی مسلمان کیسے بھی ہوں حقِ اسلام کی وجہ سے اُنھیں کی فتحیابی کے لئے دعا کرتے رہو۔

ایک مکتوب ۲۸ میں حضرت نے فرمایا ہے کہ جس دن سے نجف خاں آیا ہے اس دن میں فقیر سے لے کر بادشاہ تک ہر شخص کی حالت خراب ہے۔ "حالِ مردم این شہر روزے کہ نجف خاں آمدہ است از شاہ تا گدا تباہ است[۱]"

حضرت میرزا صاحب کے مکتوبات سے ان کے اخلاق ہمدردی اور اپنے مخلصین سے محبّت کا پتہ چلتا ہے وہ ہر اپنے پرائے کا غم رکھتے تھے۔ ان کے مریدِ رشید قاضی ثناء اللہ پانی پتی تھے۔

قاضی صاحب کی بیوی صاحبہ بھی حضرت کی مریدہ تھیں ان سے حضرت کو بہت اُنس تھا۔ قاضی صاحب کے بچّوں کی تکلیف سے بھی حضرت پریشان ہو جاتے تھے۔ حضرت میرزا صاحب صوفی فقیر بزرگ تھے لیکن آپ سے شہر سے لے کر قلعہ تک کے کوئی حالات پوشیدہ نہ تھے۔

میرزا صاحب کے خطوط میں زبانِ فارسی اُس زمانہ کی رنگینی اور تصنع کی نہیں ہے۔ آپ نے نہایت سادہ عبارت میں خطوط تحریر فرمائے ہیں۔ ان کے اندازِ تحریر میں بے تکلفی اور بے ساختگی ہے۔ آداب والقاب زیادہ لمبے چوڑے نہیں لکھتے ہیں اور نہ دوسروں سے اپنے لئے لکھوانا پسند کرتے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ آپ کے خطوط دینی اور دنیاوی دونوں لحاظ سے نصیحتوں سے بھرے پڑے ہیں۔ ان اصولوں پر چل کر انسان دونوں جہاں کی خوبیاں اور ترقیاں حاصل کر سکتا ہے۔ خدا آپ کے مراتب کو اور اعلیٰ وارفع کرے۔ آمین۔

۱۔ کلمات طیبات مکتوب ۲۸ صفحہ ۴۲، ۳۰ ایضاً صفحہ ۴۶

حضرت میرزا صاحب کی فارسی شاعری

فنِ شاعری میں ایک عالی مرتبہ شاعر ہیں۔ چونکہ آپ کشتۂ راہِ خدا ہیں اور عشق حقیقی آپ کے رگ و ریشہ میں سرایت کئے ہوئے تھا۔ ایام طفولیت سے ہی مزاجِ عاشقانہ کی کیفیات کا اظہار ہونے لگا تھا۔ لہذا جو کچھ لکھا تھا عشق و محبت اور واردات قلبیہ کا صحیح نقشہ پیش کیا ہے نہ کسی مظاہرے اور نام و نمود کیلئے لکھا۔ حالات دل نے مجبور کیا اور آتش عشق بھڑکی دل میں نہ رک سکی تو صورت الفاظ میں بطور اشعار کے ظاہر ہو گئی یہی آپ کی شاعری ہے۔ اب ذرا حضرت میرزا صاحب کی ہی زبانی ان کی شاعری کی کیفیات ملاحظہ فرمائیے۔

زتحریریم غرض عرضِ ہنر نیست	دماغم را ازیں بوہا خبر نیست
طپیدن داری از دل می نگارم	اُصول رقص بسمل می نگارم
ہمیں خون گرمیم در بزمِ ساقی است	دِگر از ہر چہ گویم اتفاقیست
خیالِ لن ترانی ہم ندارم	دماغ قصہ خوانی ہم ندارم[1]

آپ کی شاعری کی تعریف حضرت حاجی محمد افضل صاحب کہ حضرت کے شیخ الحدیث ہیں نے ایک مرتبہ کی ہے۔ واقعہ یوں بتلاتے ہیں کہ ایک دن ایک صاحبِ دل بزرگ حضرت حاجی محمد افضل سیالکوٹی کے یہاں موجود تھے اور حضرت میرزا صاحب بھی درس حدیث کے لئے موجود تھے۔ اُن بزرگ نے حضرت حاجی صاحب سے عرض کیا کہ جو اشعار حضرت میرزا صاحب سلمہ اللہ پڑھتے ہیں۔ اس کے اثر کی چوٹ دل پر پڑتی ہے اور اس کا فیض قلب کے قریب پہونچتا ہے اور دل کو بے حد حظ حاصل ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے دوسرے عزیزوں کے

---

[1] معمولات مظہری صفحہ ۱۲

اشعار چاشنئ لذت نہیں بخشتے ہیں۔ ان کا سبب کیا ہے حضرت حاجی صاحب نے جواب میں فرمایا کہ بھائی میرزا صاحب مردانِ خدا اہل دل واہل درد میں سے ہیں۔ جو کچھ پڑھتے ہیں دل کے درد کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ لہذا سامعین میں تاثیر تمام پیدا ہو جاتی ہے۔ سچ ہے حاجی صاحب جیسے صاحب دل نے صاحب دل کی بات کو واضح کر دیا بقول اقبال سے

بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

حضرت میرزا صاحب نے اپنے فارسی دیوان کے دیباچے میں تحریر فرمایا ہے۔ کہ عالم جوانی میں شورِ عشق کی تحریک پر نالہائے عشق موزوں کئے تھے۔ اس لئے شاعری میں میرا نام آگیا۔ چونکہ آپ ایک صوفی اور اہل اللہ بزرگ تھے آپ کو اپنے کلام کی تدوین کی پروانہ تھی فرماتے ہیں کہ والاہمتی کی وجہ سے اجزائے مسوّدات و مواد کلیّات اکٹھا نہ کیا بہت سا سرمایۂ سخن برباد ہو گیا۔ اب بھی حضرت کو تدوین کلام کی پروانہ تھی مگر آپ کے شاگرد رشید ایک جوان سراپا جان نے کوشش کی تو دیوان مرتّب ہو گیا۔ آپ کا دیوان ۱۲۷۱ھ میں مصطفائی پریس کانپور سے طبع ہوا۔ اس میں آپ کا انتخاب خریطۂ جواہر بھی بطور ضمیمہ کے شائع ہوا ہے۔

میرزا صاحب کے فارسی کلام کی تعریف ان کے تمام معاصرین نے کی ہے۔ احمد علی سندیلوی نے ان کے لئے لکھا ہے کہ۔

"سینۂ بے کینہ اش پر از عشق بود بیشتر اشعار عاشقانہ و پردرداز قلمش ریختے[1]"

حضرت میرزا صاحب کی شاعری میں صوفیانہ جذب ومستی پوشیدہ ہے

---

[1] معمولات مظہری صفحہ ۱۳

کیونکہ وہ ایک فنافی اللہ بقاباللہ کے مقام کے بزرگ تھے۔ آپ کی شاعری میں تصنع اور تکلف نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے۔ آپ کے پڑھنے کا انداز بھی دردانگیز تھا۔ گذشتہ سطور میں لکھا ہے کہ آپ کے اشعار کے پڑھنے سے لوگوں کے قلوب پر ایک ضرب کاری پڑتی تھی اور بے حس سے بے حس دلوں میں تاثیر کے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں۔ حضرت میرزا صاحب کا عشق رضا و تسلیم کا عشق ہے۔ بقول شاعر وہ اس عقیدہ ذیل کے ماننے والے ہیں۔

گر بر گلوئے عاشق صادق نہند تیغ
بیند خطائے خویش نہ بیند خطائے یار

انھوں نے بعض اپنے اشعار میں گویا پیش گوئی کی ہے اپنی شہادت کے لئے گویا پہلے سے یہ شعر تیار کر کے رکھ لیا تھا اس لئے آپ کی شاعری الہامی ہے۔

بنا کردند خوش رسمی بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

سیل خون از سینہ گرم رواں کردہ است عشق
نازم اعجازش کہ طوفان از تنور آوردہ است

زخم دل مظہر مبادا بہ شود آگاہ باش
کایں جراحت یادگار ناوک مژگان اوست

حضرت میرزا صاحب کا پورا کلام داخلی ہے اور عشق و محبت میں ڈوبا ہوا ہے انداز کلام انتخاب الفاظ اور فصاحت کلام کے علاوہ آپ کا انداز بیان سونے پر سہاگے کا کام دیتا ہے۔ آپ کے کلام میں سنجیدگی اور متانت بلا کی ہے۔ ثقیل اور غیر لطیف الفاظ آپ کی زبان پر نہیں آتے ہیں۔ بطور چاشنی حضرت میرزا صاحب کے کلام فارسی سے چند اشعار ذیل میں دئیے جاتے ہیں۔

خُدا در انتظارِ حمد ما نیست — محمدؐ چشم بر راہِ ثنا نیست
خدا مدح آفرینِ مصطفیٰؐ بس — محمدؐ حامدِ حمدِ خدا بس
مناجاتے اگر باید بیاں کرد — بہ بیتے ہم قناعت می تواں کرد
محمد از تو می خواہم خُدا را — الٰہی از تو حُبِّ مُصطفےٰؐ را

دِگر لب وا مکن مظہر فضولیست
سُخن از حاجتِ افزوں تر فضولیست

تواند نالہ کردن باچنیں خوبی و موزونی — جو مظہر ہر کہ یاد دلوانگیہا میرزا باشد
بہ حرفِ کس نماند حرفِ من مظہر چو جبریلم — خدا بیواسطہ تعلیم و اصلاحِ سخن کردہ
سیل خون از سینہ گرم رواں کردہ است عشق — نازم از اعجازش کہ طوفان از آوردہ است
زخم دل مظہر مبادا بہ شود آگاہ باش — کایں جراحت یادگارِ ناوکِ مژگاں اوست

جائے رحم است ای ہجومِ آہ وائے سیلابِ اشک
یادگار از من ہمیں مشتِ غبارے ماندہ است

شگاف داںہا بیشک نشانِ سبحہ می باشد
دل مجروحِ می دانم کہ راہے باخدا دارد

آں کشتہ ہیچ حقِ محبّت ادا نہ کرد
کز بہرِ دستِ و بازوئے قاتل دُعا نہ کرد

اِک طپیدن کار ما را ای تواند ساختن
ہچو ماہی بر سرِ ما منّتِ شمشیر نیست

کشتن ما ناتواناں نیست چنداں جائے خوف
خونِ ما چوں رنگِ گُل گستاخ دامن گیر نیست

سوز دل از ہر بُنِ مویم نمایاں کردہ اند
ایں جفاجو یاں مرا سر وِ چراغاں کردہ اند

صبح امشب دیدہ ام خوابِ کہ از اعجازِ حسن
روسفیدم روزِ حشر این موسیاہان کردہ اند
تشنہ مُردن بود شخصے کہ سیراب از زندگی است
از جفائم کشتہ اند اماچہ احسان کردہ اند
شفیعم روزِ حشر این دیدہ نمناک می گردد
ازیں آبِ رواں از حسابم پاک می گردد
زندگی بے منت ار آید میسّر باک نیست
ہمتش نازم کہ ممنونِ مسیحا میشود
اگر مظہر بایں ہمت ز خضر آبِ بقا خواہد
ز ننگِ زندگانی تا دمِ مردن خجل باشد
نکرد مظہر ما طاعتی ورفت نجاک
نجاتِ خود بتولائے بوتراب گذاشت

جب یہ چاہا گیا کہ لوحِ مزار پر کچھ لکھا جائے تو احباب نے کہا کہ آپ کا دیوان کھولا جائے اوّل سرِ ورق پر جو شعر بر آمد ہو وہی لکھا جائے چنانچہ مندرجہ ذیل شعر بر آمد ہوا۔

بلوحِ تربتِ من یافتند از غیب تحریرے
کہ این مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیرے

سبحان اللہ گو یا حضرت کو پہلے سے ہی اپنی شہادت کا علم تھا۔ کیا الہام ہے۔

لذت صد زندگی در نیم کشتن می دہد
تیرِ مژگانِ بتاں پیکانِ زہر آلود نیست
از برائے سجدۂ عشق آستانہ یافتم
سرزمینے بود منظورِ آسمانی یافتم

حلاوت می چکد از گفتگوئے عشق ما مظہر
چو برگِ گل زبان را در شکر گیرد بیان ما

نام اگر مظہر برآورد م بشاہی فخر نیست
کاش خواندی بندۂ خود سرو آزادی مرا

اگرچہ طاقت یک گردش نگاہم نیست
خدا کند ہمہ نازش بجانِ من باشد

منم کہ شکر جفا از وفا زیادہ کنم
از ستم نہ کُنی پر چنیں کسے ستم است

بہر کجا کہ غمی ہست مہمانِ من است
خلیل عشقی و لختِ جگر بخوانِ منست

بیداد بتاں را ستم و جور ندانند
ایں سوختن و کشتن و بستن ہمہ ناز است

مکن در عاشقی تعلیم خود داری مرا ناصح
ز خوبان سرکشی و ز میر زا مظہر جبین سائی

ہمہ ارض و سما آئینۂ شکل اند ہم
می تواں یافت کہ در پردہ خود آرائی ہست

مظہر طلبی گر بجہاں منزلِ راحت
بگذر ز تو خود در پسِ ایں پردہ مقام است

از ہمہ قطع نظر کُن تا بہ بینی روئے دوست
چشم بستن از جہاں چشمِ دگر وا می کند

رحم بر حالِ دلم کردی و من داغ شُدم
کایں دلی بود کہ شائستۂ آزارِ تو بود

اۓ جنون یا حبیب من شوخی مکن ہشیار باش
کیں گریبان سایہ پروردۂ دامانِ اوست
یارب چہ فتاد بلبلان را
در باغ نشانِ آشیاں نیس
آہ مظہر تو کجائی کہ پہ جُستن تو
مہ جدا مہر جدا چرخ جدا می گردد
وسعتِ مشرب چہ دنیائے فراخی بودہ است
چو فلک در گردشِ شاہ جہانے یافتم
می روم اما عنانِ من بدست خویش نیست
ہم چو کشتی ساخت سیل گریہ دریائی مرا
مظہر خوش گوئی ماز آغاز و انجامش مپرس
گشت از خواب عدم بیدار و بار افسانہ شد
ساقی بدہ آں می کہ زمستی نشناسم
پیمانہ کدام ولبِ جانانہ کدام است
دشت را با و بہاری اشک را صد میخانہ ساخت
ہر طرف رعنا غزال مست خواب افتادہ است
جوش زد مستی ز چشم دلبراں میخانہ شد
مشت خاک مے پرستان چرخ زد پیمانہ شد
نگاہ مست تو آنرا کہ مستفید کند
ہزار پیر خرابات را مرید کند
مہتاب و شراب و انتظارت
ایں روز قیامت ست شب نیست

زیک سو بوئے گل وزیک طرف پیغام یار آمد
من آں دیوانہ ام کہ ہر دو سوئی من بہار آمد

نو بہار آمد مرا ز نجیر در گلشن کنید
دوستان امسال تدبیرِ م بطورِ من کنید

بر اہلِ استقامت فیض نازل می شود مظہرؔ
نمی دانی تجلی گرد کوہِ طور می گردد

امتحان صبرِ عاشق ایں قدر ہا خوب نیست
ائے بقر بانت روم آخر دل است ایوّب نیست

مظہرؔ ز فقر طرفہ کمالی بہم رساند
بیگانہ شد از خلق و زحق آشنا نشد

ظاہر و باطن ہمہ نذر و نیازِ عشق بود
در دِ پنہانی و داغِ آشکارا داشتم

عمر ما در عین ہشیاری بغفلت رفت حیف
آنچہ بیداری گمان کردیم خوابے بودہ است

یاد ایامیکہ یاری غمگساری داشتم
با غمِ ہجر و سری در وصل کاری داشتم

دِل درونِ سینہ ہم چو بسمل می طپد
روز و شب ہا بیقرار یہا قراری داشتم

بر سر نازنینی گاہ پائے می گذاشت
با ہمہ بے اعتباری اعتبارے داشتم

نوجوانان شورِ عشق و عاشقی مفت شما است
پیش از ین من ہم دلِ ہنگامہ واری داشتم

حسب ذیل چار اشعار حمد و نعت کیا ہیں گویا کہ حضرت نے دریا کو کوزے میں بھر دیا ہے۔

خدا اور انتظار حمد ما نیست	محمد چشم بر راہ ثنا نیست
خدا مدح آفرین مصطفیٰ بس	محمد حامد حمد خدا بس
مناجاتے اگر باید بیان کرد	بہ بیتے ہم قناعت می تواں کرد
محمد از تو می خواہم خدا را	الٰہی از تو عشق مصطفیٰ را
پست شو تا فیض حق فائض شود	ہر کجا پستی ست آب آنجا رود
نفس از در ہاست ایں کے مردہ است	از غم بے آلتی افسردہ است
نومیدی از مطالب کلفت شد ایمن شد	ہر کار بستہ آخر مشکل کشائی من شد
تا ز رنج خود پرستیہا دمی آسودمی	ہچو مظہر کاش راہے با خدا بودی مرا
رسا ست تیرگی روزگار ما	چو زلف یار ز سر تا قدم پریشانست
دگر چگونہ تواں کرد یاد حق مظہر	الہ باطل ما عشق نوجوانی ہست
مظہر از درد جدائیہائے خوبانم مپرس	حالتے دارم کہ ہرگز قابل تعبیر نیست
نکرد میل بدنیائے فاحشہ مظہر	اگرچہ حسن پرستی ست پارسائی خوشی ست
دلی دارم حزینی داد خواہی	کنوں سر می کنم حرفے آگاہی
انفعال جرم بہتر از غرور طاعت است	مظہر دو راز حقیقت بر نماز خود مناز

بابِ ہشتم

حضرت مرزا صاحب کے کلام اُردو پر تبصرہ

حضرت مرزا صاحب کے کلام پر نگاہ ڈالنے سے قبل ہی آپ کی شخصیت سامنے آجاتی ہے۔ اور کیوں نہ آجائے کہ آپ کے معاصرین سے لے کر آج تک کے علماء و صلحاء و جملہ تذکرہ نگاروں نے آپ کی شاعرانہ صلاحیتوں کا اعتراف کیا ہے۔ اعتراف ہی نہیں کیا ہے بلکہ ان کو آسمانِ سخن کا آفتاب عالم تاب تسلیم کیا ہے۔ اہلِ کلام و نقادانِ سخن نے ان کو اُردو شاعری و زبان کا مصلح اعظم اور مجدد تسلیم کیا ہے۔ کیا ایسی بلند و بالا شخصیت کا مالک اردو شاعری میں کبھی بھلایا جاسکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ یہ تو اردو شاعری کی بات ہے۔ آپ کی شان میں لکھا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل سے آپ کی شخصیت میں ایسی صلاحتیں ودیعت فرمادی تھیں کہ جس میدان میں بھی قدم رکھا امام بن کر رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو شاعری میں ان کو اہلِ قلم و اہلِ سخن حضرات نے "نقاش اوّل ریختہ" کے لقب سے ملقّب کیا ہے۔ وہ اُردو شاعری میں دبستانِ دِلّی کے امام و پیشوا بن کر رہے۔ یہ ہماری اپنی اور اُردو شاعری و ادب اُردو کی بدقسمتی ہے کہ ان کا پورا پورا اُردو کلام محفوظ و مدون نہ ہوسکا اسی باعث آپ کا اُردو کلام کم دستیاب ہے۔ کیا اچھّا ہوتا کہ آپ کا اُردو کلام بھی فارسی کلام کی طرح سے کسی نے پہلے سے ہی آپ کی حیات میں مدون کیا ہوتا لیکن ایسا نہ ہوسکا اور

آپ نے تو اپنی فارسی شاعری کے متعلق ہی اپنے فارسی کے دیوان کے عنوان میں فرمایا ہے کہ والاہمتی کی وجہ سے" اجزائے مسوّدات ومواد کلیات اکٹھا نہ کیا[1] بہت سا سرمایہ سخن برباد ہوگیا" حضرت والا کی اس بات سے یہاں یہ بات واضح ہے کہ آپ نے اپنے کلام کی تدوین کا خیال اپنی والاہمتی کے باعث نہ کیا اور بہت سا سرمایۂ سخن برباد ہوگیا درحقیقت حضرت کا یہ فرمان چونکہ فارسی دیوان کے عنوان میں ہے اس لئے واضح ہے کہ یہ خیالات فارسی شاعری کے لیے فرمائے ہیں۔ لیکن غور کا مقام تو یہ ہے کہ کیا حضرت کی والاہمتی فارسی شاعری تک ہی محدود تھی اور جب اس زمانہ میں فارسی کا زور و قدر و اقتدار ہوتے ہوئے فارسی کلام کی تدوین کا اہتمام نہیں کیا تو پھر بھلا اُردو شاعری ہی کا کیا اہتمام فرماتے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ بہت سا سرمایہ سخن برباد ہوگیا یعنی فارسی کا تو جب فارسی جیسی شاعری کا سرمایہ برباد ہوا تو کیا اُردو کا سرمایہ سخن برباد نہ ہوا ہوگا۔ یقیناً برباد ہوا ہوگا۔ آپ کے اُردو کلام کے اس وقت کم پائے جانے کے وجوہات میں خیال کرتا ہوں یہی ہو سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اور حضرات کو اور بھی دیگر کوئی وجوہات مل جائیں۔ جب آپ کے شاگردان شاعری اردو تک صاحب دیوان ہوئے تو یقیناً آپ کا اُردو کلام اور بھی زیادہ ہونا چاہیے۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا بھی ہے یہ ان کا اُردو شاعری کا دیوان بھی مرتب ہوگیا تھا۔ گارساں دتاسی[2] نے بھی آپ کے دیوانِ ہندوستانی کا تذکرہ کیا ہے۔ شاہ شاہد علی سبز پوش تخلص فانی رئیس گورکھپور کا بیان ہے کہ مرزا صاحب کا مکمل دیوان اُردو قلمی کتب خانہ خانقاہ جونپور میں موجود ہے۔ پتہ لگا ہے کہ جونپور کی خانقاہ کے کتب خانہ میں اب دیوان مذکور موجود نہیں ہے۔ خدا جانے کہاں پہونچا۔ ایسی چیز کسی کے ہاتھ پڑ گئی اور اس نے اب انہیں ظاہر کرنا مناسب نہ خیال کیا ہو۔

---

[1] دیباچہ دیوان فارسی حضرت مرزا مظہر جان جاناں۔

[2] گارساں دتاسی تاریخ ادبیات ہندوستانی جلد دوم صفحہ ۲۹۷۔

بہر صورت کچھ ہو ناصر ورچاہیئے جب تک کچھ نہ ہو یہ بات کہاں سے پیدا ہو گئی کوئی کیوں غلط بیانی کرنے لگا۔ مذکورہ بالا واقعات وحالات کی روشنی میں حضرت کی اُردو شاعری کی کمی کا باعث معلوم ہوا۔ بہر صورت اب جو بھی آپ کا کلام ہے۔ بڑوں کا تھوڑا کام بھی بڑا ہوتا ہے۔ جو کچھ کلام اب دستیاب ہے اس کی کمی کے باعث آپ کی شاعرانہ شان میں کوئی کمی نہیں آتی ہے۔ آپ جگمگاتے اور روشن سورج کی طرح شمس الدّین شمسِ اظہر و مظہر ہیں۔

آپ کی اُردو شاعری کے لئے آپ کے معاصرین اور غیر معاصرین نے اپنے جن خیالات کا اظہار کیا ہے مختصراً ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

مصحفی :۔

"اوّل کس کہ شعر ریختہ بہ تتبّع فارسی گفتہ اوست فی الحقیقت نقّاش اوّل زبان ریختہ بایں وطیرہ باعتقاد فقیر مرزا است بعدہ تتبعش بدیگراں رسیدہ"[۱]

صاحب مخزن الغرائب :۔

بانی زُبان اردو در ریختہ او (مرزا مظہر) بودہ است

"در زبان ہندی کہ مراد از اُردو است خیلے فصیح و بلیغ بودہ"[۲]

فتح علی گردیزی :۔

"نظمِ ریختہ اش بنہائت عدوبت است"[۳]

---

۱ تذکرہ ہندی مصحفی صفحہ ۲۰۳ ۔

۲ مخزن الغرائب (احمد علی سندیلوی)

۳ تذکرہ ریختہ گویان صفحہ ۱۳۲ فتح علی

خان آرزو :-

"گاہ گاہے ریختہ بطریقہ خاصہ میگفت"[۱]

انشار :-

دل اور آنکھ میں کشمکش ہونے لگی کہ کیوں مرزا صاحب کے دیدار سے محروم رہیں اور ان بزرگ کے کلامِ معجز نظام میں جو لایزال ہے لذّت اور مٹھاس سے اس سے کیوں باز رکھا جائے[۲]۔

احمد علی سندیلوی :-

"سینۂ بے کینہ اش پر از عشق بود بیشتر اشعار عاشقانہ پر درواز قلمش می ریخت"[۳]۔

حضرت کے شاگرد شاعر اردو دردمند

خدیو سخن مرزا جان جان — کہ حکم اس کا ہے ناطقہ پر رواں
لقب اس کا ہے ذوالجلالِ سخن — کہ بندے ہیں اس کے سب اربابِ فن
سب اربابِ فن اُس سے ہیں مستفید — کہ علم و ادب اس کے دونوں مرید

حضرت کے دوسرے شاگرد شاعر اُردو حزیں

اے حزیں شکر کہ ہے مصحف اربابِ جنوں — فیض سے حضرتِ استاد کے دیوان

---

۱ مجمع النفائس خان آرزو۔

۲ دریائے لطافت اُردو (انشار) صفحہ ۲۷

۳ مخزن الغرائب احمد علی سندیلوی

حضرت کے شاگرد شاعر اُردو یک رنگ

جس کے دردِ دل میں کچھ تاثیر ہے　　　　گر جواں بھی ہے تو میرا پیر ہے

مولانا محمد حسین آزاد

"ان کے کلام میں مضامین عاشقانہ عجب تڑپ دکھاتے ہیں۔ اور یہ مقام تعجب نہیں کیونکہ وہ قدرتی عاشق مزاج تھے اوروں کے کلام میں یہ مضامین خیالی ہیں۔ ان کے اصل حال" [1]

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے جب میدان شاعری میں قدم رکھا تو دیکھا کہ اُردو شاعری ایہام گوئی کی بیماری سے چور ہے۔ لطف یہ کہ اُس زمانہ میں اس لفاظی اور بناوٹ کو خوبی کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس غیر فطری طرزِ سخن میں ابتدا میں حضرت نے بھی کچھ اشعار کہے ہوں اور بعد میں اس کو عیب سمجھ کر یہ طرزِ سخن چھوڑ کر اصلاحی قدم اٹھایا ہو۔ آپ کے کلام و شاعری پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا کلام، کلام ایہام کی بیماری سے خالی نہیں ہے۔ مگر ایہامی ہوتے ہوئے بھی اس میں کیف و جذبات کی نقاشی ہے۔ حسنِ بیان اور لطافت خیال کا التزام ہے۔ اگر کچھ ابتدائی اشعار میں الہامی حالت ہے تو وہ تو چاند میں داغ کے طور پر ہے جو کہ بدنما نہیں مانا جاتا ہے۔ حسب ذیل اشعار ایہامی ہوتے ہوئے بھی اپنی لطافتِ خیال اور حسنِ بیان اور نقاشی تصورات کے باعث بہت خوب ہیں۔

جُھکی ہے فوجِ گل اور عندلیباں کی پکار آئی
ارے ہنستا ہے کیا وہ دیکھ دیوانے بہار آئی

---

[1] آبِ حیات صفحہ ۱۴۲ از مولوی محمد حسین آزاد۔

خداوندا اٹھا لے ہجر کے درمیاں سوں پردے
ہمیں صیّاد کے اب دام میں ڈالا ہمیں پردے
کوئی تسبیح اور زنّار کے جھگڑے میں مت بولو
کہ آخر ایک ہیں آپس میں دونوں بیچ رشتہ ہے
شب اس مہتاب رُو کی بزم میں مظہر عرق افشاں
کلیجہ پھٹ گیا مہتاب کا گرنے لگے تارے
تجلّی گر تری پست و بُلند ان کو نہ دکھلاتی
فلک یوں چرخ کیوں کھاتا زمیں کیوں فرش ہو جاتی
چلے کیا زور چشموں کا لہو دریا سے شورا کے
نہ دی نالوں نے مجھ آنکھوں کو فرصت کھُل کے رونے کی
پھولے ہیں گل چمن میں صنم کا جمال دیکھ
لالہ بدل ہے داغ ترے مکھ کا خال دیکھ
بجھایا دلبرِ جانی نے آکر ابر رحمت سے
رقیبوں نے پنٹ دھوکا دیے ہم غم کے انگارے
بلبل فدا ہوئی ہے ترے رخ پہ اے صنم
سنبل ہے پیچ پیچ تری زلف و بال دیکھ

حضرت مرزا صاحب کے اصلاحی دور کے اشعار صنعت ایہام سے پاک وصاف ہیں۔ اور معیار غزل کے مطابق بہت خوب ہیں۔ ان میں جذبات کی حقیقی نقّاشی اور تخیّلات کی واقعی مصوّری کی گئی ہے۔ چونکہ حضرت کو عشقِ ازلی حاصل تھا اور وہ صوفی صافی صاف گو اور حقیقت نگار تھے۔ دراصل آپ کی شاعری داخلی شاعری ہے کیونکہ جو تاثرات آپ کے قلب پاک میں ہوتے ان کی سچّی عکّاسی آپ فرما دیتے تھے۔ جیسا کہ آپ کے شیخ الحدیث نے آپ کی شاعری اور داخلی کیفیت کا بیان فرمایا ہے کہ ایک بار ایک بزرگ نے حضرت حاجی محمّد افضل سیالکوٹی سے دریافت

کیا کہ کیا وجہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے اشعار کی ضرب دل پر پڑتی ہے اور ایک فیض دل کے قریب پہونچتا ہے اور یہ بات دوسرے عزیزوں کے اشعار میں نہیں ملتی ہے تو حضرت حاجی صاحب نے جواب دیا کہ بھائی اصل بات یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب مردانِ خدا میں سے ہیں ۔ اہلِ دل اور اہل درد ہیں ۔ جو کچھ پڑھتے ہیں دل کے درد کے ساتھ پڑھتے ہیں ۔ لہذا آپ کے کلام میں نمایاں خصوصیات میں سے یہ ہے کہ آپ کی شاعری میں داخلیت کو دخل ہے ۔ اگر آپ کے اشعار کے لئے کہا جائے کہ ۔

زبان پر ہے وہی آتا کہ جو کچھ دل میں ہے
وہی رستہ ہے جو کچھ کہ ترے برتن میں ہے

لہذا آپ کے اشعار کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی زبان پر وہی آتا ہے جو کچھ کہ آپ کے دل میں ہوتا ہے ۔ وہ حسن وعشق کے رازداں ہیں حسن وعشق کی سحر کاریوں سے واقف ہیں ۔ جسم میں دل نازک رکھتے ہیں کہ جو شفّاف شیشے سے بھی زیادہ مصفا ہے بھلا پھر دل میں صحیح تصویر کیوں نہ بنے اور جب صحیح تصویر بن گئی تو آپ ایسے ماہر مصور ہیں ۔ سچی اور صحیح مصوّری کر کے حقیقت کو الفاظ کے جامے میں لاکر پیش کرتے ہیں ۔ آپ کے اردو اشعار سے چند اشعار اسی کیفیت کے ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں ۔

یہ حسرت رہ گئی کیا کیا مزوں سے زندگی کرتے
اگر ہوتا چمن اپنا گل اپنا باغباں اپنا

جنون سوں اسقدر روئیں کہ رسوا ہو گئیں آخر
ڈبایا ہائے ان آنکھوں نے آخر خانماں اپنا

سحر اس حسن کے خورشید کوں جاکر جگا دیکھا
ظہور حق کوں دیکھا خوب دیکھا باضیا دیکھا

ہمارے دل کوں کس کس ظلم سوں دیکھا او ظالم
منظر میں جہاں دیکھا داغ کر دیکھا جلا دیکھا

ہوا ہوں بند اس غم میں اس دل سوں
کہ وہ مجکوں نظر بھر بھر کے دیکھا دل جلا دیکھا

کبھی ملتا نہیں میرا ہٹیلا کیا کروں مظہر
تصدّق ہو کے دیکھا پاوں پڑ دیکھا منا دیکھا

اگرچہ الطاف کے قابل یہ دلِ زار نہ تھا
اس قدر جور و جفا کا بھی سزاوار نہ تھا

جواں مارا گیا خوبوں کے اوپر میرزا مظہر
بھلا تھا یا بُرا تھا زور کچھ تھا خوب کام آیا

ہم نے کی ہے توبہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار
ہائے بس چلتا نہیں کیا مفت جاتی ہے بہار

گل کو جو گل کہوں تو ترے رو کو کیا کہوں
دُر کو جو دُر کہوں تو اس آنسو کو کیا کہوں

آتش کہو شرارہ کہو کوئلہ کہو
مت اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو

الٰہی درد و غم کی سرزمین کا حال کیا ہوتا
محبّت گر ہماری چشمِ تر سے مینھ نہ برساتی

کیا بلبل نے نعرہ، آہ قمری نے روئی شبنم
خدایا باغ میں آئی قیامت یا بہار آئی

کبھو اس دل نے آزادی نہ جانی
یہ بلبل تھا قفس کا آشیانی

خدا کو اب تجھے سونپا ارے دل
یہیں تک تھی ہماری زندگانی

اگر ملئے تو خفت ہے وگر دوری قیامت
غرض نازک دماغوں کو محبّت سخت آفت ہے

غالبؔ نے کہا ہے۔
ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو ــــ بنتی نہیں ہے بادۂ وساغر کہے بغیر۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں نے بادۂ وساغر و گل و بلبل کے پردے میں حقیق کی عریانی کی ہے ان کے اشعار کی مندرجہ ذیل امثلہ غور طلب ہیں۔

آزاد ہو رہا ہوں دو عالم کی قید سیں
مینا لگا ہے جب سیتی مجھ بے نوا کے ہاتھ

گئی آخر جلا کر گل کے ہاتھوں آشیاں اپنا
نہ چھوڑا ہائے بلبل نے چمن میں کچھ نشاں اپنا

نہ گل اپنا کیا میں نے نہ بلبل باغباں اپنا
چمن میں کس بھروسے باندھتا ہے آشیاں اپنا

گلوں کے فرش پر مت بیٹھ چونڈے کو سنبھالا بلبل
خزاں کے آونے کی ہے خبر رکھ سر سے تاج اپنا

لالۂ و گل نے ہماری خاک پر ڈالا ہے شور
کیا قیامت ہے موؤں کو بھی ستاتی ہے بہار

ایک صوفی صافی توبہ کرنے کے بعد دنیا کی ناجائز بہاروں اور نیرنگیوں سے دور رہنا چاہتا ہے لیکن دنیا کی حسن فریبیاں انسان کو اپنی طرف کھینچتی ہیں مگر ایک سچّی توبہ کر لینے والے مرد مجاہد کو یہ رنگینیاں اور بہاریں اس کے راستے سے نہیں ہٹا سکتی ہیں۔ کیا خوب فرمایا ہے۔

ہم نے کی ہے توبہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار
ہائے بس چلتا نہیں کیا مفت جاتی ہے بہار

اُردو شاعری میں اگر کہیں صوفیانہ شاعری دیکھنا ہے تو وہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں اور ان کے معاصر خواجہ میر درد ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے عقدہ کشائی کی ہے اور بقول غالب۔

خوشتر آں باشد کہ سِرِّ دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں

آزاد ہو رہا ہوں دو عالم کی قید سیں
مینا لگا ہے جب سیتی مجھ بے نوا کے ہاتھ

لوگ کہتے ہیں مر گیا مظہرؔ
فی الحقیقت میں گھر گیا مظہرؔ

بہار آئی کھل آئے باغ بلبل پھول کر بیٹھی
دوانوں کو کہو اس وقت کر لیویں علاج اپنا

الٰہی مت کسو کے پیش رنج وانتظار آوے
ہمارا دیکھئے کیا حال ہو جب تک بہار آوے

یہ دل کب عشق کے قابل رہا ہے
کہاں ہم کو دماغ و دل رہا ہے

تجلّی کو گر تری پست و بلند ان کو نہ دکھلاتی
فلک یوں چرخ کیوں کھاتا زمیں کیوں فرش ہو جاتی

اگر ملئے تو خفت ہے وگر دوری قیامت ہے
غرض نازک دماغوں کو محبّت سخت آفت ہے

کوئی لیوے دل اپنے کی خبر یا دلبر اپنے کی
کسی کا یار جب عاشق کہیں ہو کیا قیامت ہے

اسلوب بیان وزبان

چونکہ آپ شاعری اُردو کے مصلح اعظم ہیں۔ آپ نے صنعت ایہام کے خلاف مجاہدہ کیا اور سادگی کی بنا ڈالی۔ آپ کے انداز بیان میں سادگی شگفتگی اور دل کشی ہے۔ چونکہ آپ فارسی کے بھی اچھّے شاعر تھے۔ لہذا فارسی تراکیب محاورات اور فارسی شاعری کے انداز آپ کی اُردو شاعری میں بھی پائے جاتے ہیں۔ وہ چمن، گل، بلبل، باغبان، آشیاں۔ باغ فارسی کی طرح استعمال کرتے ہیں۔ انتخاب الفاظ میں آپکو پوری مہارت ہے۔ الفاظ کو موتیوں کی لڑی کی طرح پرو دیتے ہیں۔ ضروری صنائع بدائع بھی ملتے ہیں۔ آپ کی زبان نہایت شستہ اور شیریں ہے۔ انداز بیان سحر کاری سے کم نہیں۔ بھدّے اور ثقیل الفاظ آپ کی زبان پر نہیں آتے ہیں۔ ولی کے زمانے کے کچھ الفاظ اس زمانے کے رواج کے مطابق کچھ آپ کی شاعری میں چلے آئے ہیں جیسے سین سیتی۔ کوں۔ سوں مگر بعد میں یہ ترک کر دیئے گئے انتخاب الفاظ اور الفاظ حسبِ موقع لانا یہ آپ کی پختہ قادر الکلامی کی دلیل ہے۔ مندرجہ ذیل شعر میں لفظ دھومین لائے ہیں یہاں یہ لفظ کتنا موزوں اور فصیح معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا لفظ اس کا ہم پلّہ نہیں ہوسکتا ہے

ہم نے کی ہے توبہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار
ہائے بس چلتا نہیں کیا مفت جاتی ہے بہار

بہرصورت آپ فصحائے زمان و بلغائے عصر مصلح اعظم مجدّد شاعری اُردو ہیں، اور دبستان دِلّی کے امام ہیں۔

اُردو کلام وشاعری

از میرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ

مختلف تاریخوں اور تذکروں سے جتنے بھی اُردو اشعار حضرت مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے اب تک دستیاب ہو سکے ہیں۔ مدون کر دئے گئے ہیں۔ ان اشعار میں کچھ متروکات اور دکنی الفاظ ملتے ہیں ایسے اشعار آپ کی شاعری میں آپ کی اصلاحی تحریک سے پہلے کے معلوم ہوتے ہیں جبکہ وہ متروک قرار نہیں دئے گئے تھے۔ ورنہ ایک مصلح اعظم اصلاح کے بعد ان کو اپنے یہاں کیوں کر جگہ دیتا علاوہ بریں دکن کے تذکرہ نگاروں نے آپ کے دکنی متروکہ الفاظ کو اپنے دکنی رواج زبان کے مطابق آپ کے اشعار میں استعمال کیا ہے۔ جب کہ دیگر تذکرہ نگاروں نے آپ کے اشعار میں ان متروکہ دکنی الفاظ کو استعمال نہیں کیا ہے۔ مثلاً تحفۃ الشعراء از افضل بیگ قاقشال کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں آپ کے ایک شعر کے مصرعے اولیٰ میں " سوں " لفظ کا استعمال بجائے " سے " کے ملتا ہے۔

"یہ حسرت رہ گئی کس کس مزے سوں زندگی کرتے"

اور یہی مصرع تذکرہ ریختہ گویاں (گردیزی) میں " سے " کے ساتھ ہے۔

"یہ حسرت رہ گئی کس کس مزے سے زندگی کرتے"

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت نے ان الفاظ کا استعمال اصلاحی زمانے میں

یا اس کے بعد نہیں کیا ہے۔ دکن کے تذکرہ نگاروں نے عادتاً آپ کے اشعار میں
دکنی لب و لہجہ کا استعمال کیا ہے۔ اختلافات کو حاشیہ میں نوٹ کر دیا گیا ہے۔ جناب
عبد الرزّاق صاحب قریشی نے حضرت مرزا صاحب کے اُردو کلام کے آخر میں جامع مسجد
بمبئی کے کتب خانہ کی ایک ناقص بیاض کو کہ جس کے اوّل و آخر کے اوراق پھٹے ہیں۔ بحوالہ
مولوی یوسف خاں کھٹکھٹے مجموعہ اشعار مظہر بتلایا ہے۔ ان اشعار کے لئے نہ تو وہ
بیاض شاہد ہے اور نہ کسی دیگر تذکرے سے اشعار مرزا مظہر ہونے کی تصدیق
ہوتی ہے۔ علاوہ بریں یہ اشعار اتنے سُبک اور مُبتذل ہیں کہ ہمارے نازک مزاج
اور شیریں بیان حضرت کی زبانِ مبارک سے ادا کئے گئے ہوں ایسا کبھی ممکن نہیں۔
ہمارے حضرات کا دستور رہا ہے کہ مشتبہ سے حرام کی طرح پرہیز کرتے ہیں آج اسی
سنّت کے بموجب میں نے اپنے مقالے کو ان اشعارِ مشکوکہ سے پاک رکھا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلام مظہر جان جاناں

الف

گئی[۱] آخر جلا کر گل کے ہاتھوں آشیاں اپنا
نہ چھوڑا ہائے بلبل نے چمن میں کچھ نشاں اپنا

۱؎ مخزن نکات ۔ چلے ہم گل کے ہاتھوں سے جلا کر خانماں اپنا
طبقات الشعراء ۔ چلی آخر جلا کر گُل کے ہاتھوں آشیاں اپنا
چمن میں ہائے بلبل نے نہ چھوڑا کچھ نشاں اپنا
تذکرہ شعرائے اُردو ۔ چلی اب گل کے ہاتھوں سے جلا کر آشیاں اپنا
موقع شعرا ۔ چلی اب گل کے ہاتھوں سے جلا کر آشیاں اپنا
مجموعہ نغز ۔ چلی یہ گل کے ہاتھوں سے جلا کر آشیاں اپنا
عیار الشعراء ۔ چلی بلبل جلا کر گُل کے ہاتھوں آشیاں اپنا
نہ چھوڑا حیف ہے ان نے چمن میں کچھ نشان اپنا

ہمارے ہاتھ سے یہ دل بھی بھاگا لے کے جاں اپنا
ہم اُس[1] کو جانتے[2] تھے دوست اپنا مہرباں اپنا
کبھی جایا باغباں سے شبیت رہ کے گلستاں اپنا
چلے ہم آتش گُل سے جلا کر خانماں اپنا
نہ گُل اپنا کیا میں نے نہ بلبل باغباں اپنا
چمن میں کس بھروسے باندھتا ہے آشیاں اپنا
یہ حسرت رہ گئی کیا کیا مزوں[3] سے زندگی کرتے
اگر ہوتا چمن اپنا گل اپنا باغباں اپنا
جنوں سوں اس قدر روئیں کہ رسوا ہو گئیں آخر
ڈبایا ہائے[4] ان آنکھوں نے آخر خانماں اپنا
قفس کے بیچ کیا حسرت ستی بلبل یہ کہتی ہے
کہ پھر بھی دیکھنا قسمت ہوئے گا بوستاں اپنا
یہ بلبل بے اجازت باغباں کے گل سیں ملتی ہے
مجھے معلوم ہوتا ہے کہ جی دے گی ندھاں اپنا
کہیں دینے سیں جی کے وصل خوباں ہات لگتا ہے
دیا برباد پروائے نیں ناحق دودماں اپنا

---

۱ تذکرہ مسرت افزا۔ ہم اس کو جانتے تھے مشفق اپنا مہرباں اپنا۔
۲ تحفۃ الشعرا حیدر آباد (کون)
۳ تحفۃ الشعرا حیدر آباد کس کس مزے سوں
۴ آب حیات۔ ڈبایا ہائے ان آنکھوں نے مژہ کا خانداں اپنا

مرا جلتا ہے دل اس بلبلِ بیکس کی غربت پر
کہ گل کے[1] آسرے پر جن نے چھوڑا آشیاں اپنا
رقیباں[2] کی نہ کچھ تقصیر ثابت ہے نہ خوباں کی
مجھے ناحق ستاتا ہے یہ عشقِ بدگماں اپنا
جو تو نے کی سو دشمن بھی نہیں دشمن سے کرتا ہے
غلط تھا جانتے تھے تجھ کو جو ہم مہرباں اپنا
کوئی آزردہ[3] کرتا ہے سجن اپنے کو ہے ظالم
یہ دولت خواہ اپنا مظہر اپنا جانِ جان اپنا
بہار آنے سے بلبل نے بگاڑا ہے مزاج اپنا
سماتی نہیں ہے پھولوں میں مگر پائی ہے راج اپنا
بہار آئی کھل آئے باغ بلبل پھول کر بیٹھی
دوانوں کو کہو اس وقت کر لیویں علاج اپنا
گلوں کے فرش پر مت بیٹھ چونڈے کو پھلا بلبل
خزاں کے آونے کی ہے خبر رکھ سر سے تاج اپنا

سحر اس حسن کے خورشید کوں جا کر جگا دیکھا
ظہور حق کوں دیکھا خوب دیکھا با ضیا دیکھا
نہیں پایا مرے رونے کون اور فریاد کو بادل
برس دیکھا جھڑی کون باندھ دیکھا کڑکڑا دیکھا

۱؎ مخزن نکات۔ ہے گُل کے آسرے پر جس نے باندھا آشیاں اپنا
۲؎ طبقات الشعراء۔ نہ کچھ تقصیر اب ثابت ہے اس دل کی نہ خوباں کی
۳؎ مرقعۂ شعراء۔ رام بابو۔ کوئی آزردہ کرتا ہے سجن اپنے کو ہے ظالم

سجن کس کس مزہ سے آج دیکھا ہم طرف یارو
اشارا کر کے دیکھا ہنس کے دیکھا مُسکرا دیکھا

ہمارے دل کوں کس کس ظلم سوں دیکھا او ظالم نے
نظر ہیں جہاں دیکھا داغ کر دیکھا جلا دیکھا

سجن اپنے کوں سارے کی خوباں اچپلے فوجوں میں
نپٹ بے باک دیکھا رند دیکھا من چلا دیکھا

جو اٹھ کر نیند سے تیری طرف دیکھا او سارا دن
تماچہ قہر کا دیکھا غضب دیکھا بلا دیکھا

ہوا ہوں بند اس کے غم میں اس دن سوں
کہ وہ مجکوں نظر بھر بھر کے دیکھا۔ دل جلا دیکھا

ہیں دیکھا رات اوس کی زلف کے پیچوں کے بندوں کوں
سحر زنجیر دیکھا دام دیکھا اژدہا دیکھا

کبھی ملتا نہیں میرا ہٹیلا کیا کروں مظہر
تصدق ہو کے دیکھا۔ پاؤں پڑ دیکھا منا دیکھا

اگرچہ الطاف کے قابل یہ دل زار نہ تھا
اس قدر جور و جفا کا بھی سزاوار نہ تھا

لوگ کہتے ہیں موا مظہر بے کس افسوس
کیا ہوا[۱] اس کے تئیں اتنا تو بیمار نہ تھا

۱؎ مجموعہ نغز۔ کیا ہوا اس کو وہ اتنا بھی تو بیمار نہ تھا طبقات الشعرا —
کیا ہوا اس کو کہ اتنا بھی تو بیمار نہ تھا۔

زخمی تری نگہ کا اک پل جیا تو پھر کیا
صیاد کی بغل میں ٹک دم لیا تو پھر کیا

نہیں کچھ غم کہ کیوں ملتا نہیں بیمان گسل میرا
میں روتا ہوں یہ دل کی بیکسی پر ہائے دل میرا

سو یا پڑا ہے کیا رے نازک بدن اکیلا
کس بیر کا وہ سو یا جامہ اسے اٹھالا

کیوں کمان ابرو او پر قربان ہوا   چلہ کش کو کیا مگر گوشہ نہ تھا

جب گانٹھ کھولے زلف کی تب سین وہ بیگانہ ہوا
تیری گرہ کا کیا گیا میں سب سین بیگانہ ہوا

وقت ہے ماہرو کے آنے کا   فکر کر شمع کے بجھانے کا

جواں مار اگیا خوبوں کے اوپر میرزا مظہر
بھلا تھا یا برا تھا زور کچھ تھا خوب کام آیا

ملاحت ہے ترے اس حسن میں جاوید روزافزوں
اگر غفلت کی خو جاوے تو جو (؟) عاشق کا

لہ آب حیات - جواں مار اگیا خوباں کے بدلے میرزا مظہر

خوب لکھتا ہے سب جواہر ہیں   زور موتے ہے بے بہا لڑکا

چلی تپتی دکن دخت ظفرخاں   مگر قسمت میں آب نربدا تھا

جب چلا تو نہ چلا کچھ ترے دامان پہ زور
ہات ناچار مکدّر ہو گریباں کو چلا

(ت)

رات کو عیش رہا گل رخسار کے سات
جیسے بلبل خوش رہتی ہے گل زار کے سات
زلف کوں ہات لگاتے ہی پکارا دل نے
جی چلا پینچ میں اس زلف گرہ گیر کے سات
دل بہا اس طرح سے اور رہو یارو
جان جاتا ہے جدا مشک کی مہکار کے سات
اگرچہ اسلوب نہ ہو سکے تو کچھ انصاف کرو
زندگی کیونکہ کٹے ایسے ستمگار کے سات
ایک دم تھا سو بھی نہ رہا آیا ناک میں مظہرؔ
جی گیا جان گیا دم بھی چلا یار کے سات

کیا مزہ کا خال ہے تجھ مکھ پہ میرے اعتقاد
خوب ہے آنکھاں کے باداموں سے اس تل کا سواد

ہم نے کی ہے توبہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار
ہائے بس[1] کچھ چلتا نہیں کیا مفت جاتی ہے بہار
لالہ و گل نے ہماری خاک پر ڈالا ہے شور
کیا قیامت ہے موؤں کو بھی ستاتی ہے بہار
نرگس[2] و گل کی دکھو کلیاں کھلی جاتی ہیں سب
پھر ان خوابیدہ مستوں کو جگاتی ہے بہار
ہم گرفتاروں کو اب کیا کام ہے گلشن میں[3] لیک
جی نکل جاتا ہے جب سنتے ہیں آئی ہے بہار
شاخ گل ہلتی نہیں یہ بلبلو لو باغ میں
ہاتھ اپنے کے اشارے[4] سے بلاتی ہے بہار

لوگ کہتے ہیں مر گیا مظہر
فی الحقیقت میں گھر گیا مظہر

ہم سے نازک بدن ہوا باغی
کیوں ملے کو اب لگا دے بیر

یار میرے کے گھر میں ہے بیری
دن میں دیتا ہے مجکو سو سو بیر

۱؎ آب حیات ۔ ہائے بس چلتا نہیں کیا مفت جاتی ہے بہار
۲؎ گلشن سخن ۔ نرگس و گل کھلی جاتی ہیں کلیاں دیکھو سب
۳؎ تذکرۂ مسرت افزا ۔ (سے)
۴؎ مجموعۂ نغز ۔ (کوں)

(ق)

جہان آباد اِن دونوں کے ہے بیچ
اِدھر جمنا، ادھر رمنا ہے تحقیق

(ل)

اب کوئی ساعت میں آصیاد کرتا ہے ملول
ایک دم کول بلبلو کیوں بیٹھتی ہو پھول پھول

(م)

اتنی فرصت دے کہ رخصت ہو لیں ائے صیّاد ہم
مدتوں اس باغ کے سایے میں تھے آباد ہم

(ن)

گُل کو جو گل کہوں تو ترے رو کو کیا کہوں
دُر کو جو در کہوں تو اس آنسو کو کیا کہوں

لہ آب حیات۔ گل کو گل کہوں تو ترے رو کو کیا کہوں ـــ بولوں نگہ کو تیغ تو ابرو کو کیا کہوں
طبقات الشعرا میں حسب ذیل طریقہ پر ہیں۔

(۱) گر گل کو گل کہوں تو ترے رو کو کیا کہوں — بولوں نگہ کو تیغ تو ابرو کو کیا کہوں
(۲) مدت سے اس خیال سے آیا ہوں پیچ میں — گر ہو کہوں کمر کو تو گیسو کو کیا کہوں
(۳) مجھ پر ہوا ہے تنگ سجن عرصۂ سخن — گر در کو در کہوں تو اس آنسو کو کیا کہوں
(۴) دیوانہ کر دیا ہے مری جان و دل کے تئیں — مظہر ترے ستمگر بدخو کو کیا کہوں

مجھ پر ہوا ہے تنگ سجن عرصۂ سخن
بولوں نگہ کو تیغ تو ابرو کو کیا کہوں

مدت سے اس خیال کے آیا ہوں پیچ میں
گر مو کہوں کمر کو تو گیسو کو کیا کہوں

رونے سے تجھ فراق کے آنکھیں مری گئیں
ڈوبا یہ خاندان اس آنسو کو کیا کہوں

دیوانہ کر لیا ہے مری جان و من کے تئیں
مالی تری بہار کے جادو کی کیا کہوں

کرتا ہے جور جو عوض اپنے ہی یار کے
مظہر ترے ستمگرِ بدخو کو کیا کروں

رشتۂ جان ہی اگر ہو ترا تار دامن
آہ اس پر بھی سمجھتا ہے تو بار دامن

دیکھ کر گل نے کہا تجھ پہ نزاکت ہے ختم
کس ادا کے ساتھ لچکتا ہے یہ مار دامن

کس کے خون کا پیاسا کسی کی جان کا دشمن
نہایت منہ لگایا ہے سجن نیں[1] بیڑہ پان کو

توفیق دے کہ شور سے اک دم کو چپ رہے
آخر مرا یہ دل ہے الٰہی جرس نہیں

---

[1] مخزن نکات و مرقعہ رام بابو ۔ (نے)

حسن تیرا مثال دریا ہے   کیوں نہ میں کل لگا لئوں چھپیاں

جان میرا گیا ہے کرمے کے بیچ   جان نکلے تلک ہیں بیٹھا ہوں

سب گلوں میں وہ سوخ دلبر کون   خوب لگتا ہے باغ بیں کرناں

سنگدل یار نرم تکئے سا   دیکھئے جی چاہے ٹک لگا بیٹھوں

اس کے دل میں کبھی تاثیر نہ کی   ائے محبّت اسے کیا کہنے ہیں

آتش کہو شرارہ کہو کوئلہ کہو   مت اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو

آج مت رنگ حنا سے کف پا لال کرو   اے بتاں اس دل پرخون کو پامال کرو

اب رقیب اس بزم میں جا کر ہوا پیر مغاں
جائے تعظیم است اے یارو اسے گرجی کہو

---

(۷)

اس گل کو بھیجنا ہے مجھے خط صبا کے ہاتھ[1]
اس واسطے پڑا ہوں چمن بیں ہوا کے ہاتھ

---

[1] تحفۃ الشعراء "کون"۔

مرتا ہوں میرزائی گل دیکھ ہر سحر
سورج کے ہاتھ یونری دنپکھا صبا کے ہاتھ

آزاد ہو رہا ہوں دو عالم کی قید سیں
مینا لگا ہے جب سیتی مجھ بے نوا کے ہاتھ

برگ حنا اوپر لکھو احوال دل مرا
شاید کبھی تو جا کے لگے دلربا کے ہاتھ

مظہر چھپا کے رکھ دل نازک اپس کا توں
یہ شیشہ بیچنا ہے کسی میرزا کے ہاتھ

پھولے ہیں گل چمن میں صنم کا جمال دیکھ
لالہ بدل ہے داغ ترے مکھ کا خال دیکھ

بلبل فدا ہوئی ہے ترے رُخ پرائے صنم
سنبل ہے پیچ پیچ تری زلف وبال دیکھ

کیا جو ان مار اگیا خوباں کے ہاتھ
لاکھ حسرت کھیت آئیں جس کے ساتھ

سرمہ آلود و سفید و سُرخ اور مژگاں سیاہ
کیوں نہ مارے اس طرح چو رنگ شمشیر نگاہ

خجلت سے تجھ نگہ کی مئے ہو گئی ہے پانی
کہنا بجا ہوا ہے شیشہ کو آبگینہ

(ی)

تجلّی گر تری پست و بلند اُن کو نہ دکھلاتی
فلک یوں چرخ کیوں کھاتا زمیں کیوں فرش ہو جاتی

حنا تیرے کفِ پا گر نہ اس شوخی سے سہلاتی
یہ آنکھیں کیوں لہو روتیں انھوں کی نیند کیوں جاتی

گر یہ سرد مہری تجھ کو آسائش نہ سکھلاتی
تو کیوں کر آفتابِ حسن کی گرمی میں نیند آتی

الٰہی درد و غم کی سرزمین کا حال کیا ہوتا
محبت گر ہماری چشمِ تر سے منھ[1] نہ برساتی

جھکی ہے فوجِ گل اور عندلیباں کی پکار آئی
ارے ہنستا ہے کیا وہ دیکھ دیوانے بہار آئی

نہ جانوں صبحدم بادِ صبا کیا جا پکار آئی
کہ غنچے کا دلِ نازک چمن کے بیچ سپھاڑ آئی

کیا بلبل نے نعرہ آہ قمری نے روئی شبنم
خدایا باغ میں آئی قیامت یا بہار آئی

کبھی[2] اس دل نے آزادی نہ جانی | یہ بلبل تھا قفس کا آشیانی
خدا کو اب تجھے سونپا ارے دل | یہیں تک تھی ہماری زندگانی

---

[1] اس زمانہ میں مینھ کو منھ لکھتے تھے بحوالہ دریائے لطافت

[2] عیار الشعراء ۔ کبھو

قاتل کو دیکھ بھیڑ گلی کی سمٹ گئی
یہ راہ چھاتیوں کے کواڑوں سے پٹ گئی

ادھر نگہ کی تیغ ادھر آہ کی سنان
اس کشمکش میں عمر ہماری بھی کٹ گئی

کہیوا ہیر کے سین تجکو کیتو دھائی
کب لگ رہے گا لچر آٹک مل ہیرے کسائی

زلفوں کا جال رو پہ بیٹھا ہے وہ شکر لب
اے دل مگس ہو مت جا وہ شوخ ہے گا مکڑی

چلے کیا روز چشموں کا کہو دریائے شور اکے
نہ دی نالوں نے تجھ آنکھوں کو فرصت کھل کے رونے کی

سوائے دو لب شیریں مجھے خوش نہیں شکر پارے
حلاوت فہم دل کھانا ہے میٹھے جگ کے سب کھارے
او گل رونے لگا یا عنبر بن زلفوں کے
گلستاں دل کے چشموں میں گل شبّو کے فوارے
بو جھایا دلبر جانی نے آکر ابر رحمت سے
رقیبوں نے نپٹ دھوکا دیے ہیں غم کے انگارے
طبیب اٹھ جا سرہانے سین علاج اب ہو چکا میرا
جہاں میں کوئی جیتا ہے دیوانہ زلف کے مارے
رسد پہنچا او شاہ حسن کون جلدی سے جان ہوئے
لے تانڈا اشک کا ائے دل توں سودنے بنجارے

خدا جانے دیوانہ دل کدھر جاتا رہے گا؟
صبح سے شام لگ آہوں کے دوڑاتا ہوں ہرکارے
شب اس مہتاب رو کی بزم میں مظہر عرق افشاں
کلیجہ پھٹ گیا مہتاب کا گرنے لگیں تارے

یہ دل کب عشق کے قابل رہا ہے
کہاں ہم کو دماغ و دل رہا ہے
نہیں آتا کسی تکیئے اوپر خواب
یہ سر پاؤں سے تیرے ہل رہا ہے
خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو
یہی ایک شہر میں قاتل رہا ہے
گزر گئے دین اور دنیا سے تس پر
ترا گھر اور کئی منزل رہا ہے
غنیمت جان قاتل جانِ مظہر
یہ مقتولوں میں ٹک بسمل رہا ہے

خبر کو یار کی دل کو میں بھیجا ہے کہ جا لاوے
نہیں معلوم ہوتا ہے اسے کب تک خدا لاوے
عزیزاں ایک لمحہ میں مرا جی اب نکلتا ہے
طبیب عشق کو کوئی شتابی سے بلا لاوے
مرا مظہر پڑا ہے یار کے کوچہ میں کئی دن سے
خدا کے واسطے اس کو کوئی جا کر اٹھا لاوے

ــ

لہ آب حیات ۔ نہیں آتا اسے تکیہ پہ آرام
مخزن نکات ۔ نہیں مخمل کے تکیے پر مجھے چین
طبقات سخن ۔ دل و دین سے تو گزرے اب ترا گھر
نہیں معلوم کے منزل رہا ہے

اگر ملئے تو نفت ہے وگر دوری قیامت ہے
غرض نازک دماغوں کو محبّت سخت آفت ہے
کوئی لیوے دل اپنے کی خبر یا دل برا پنے کی
کسی کا یار جب عاشق کہیں ہو کیا قیامت ہے

رسوا اگر نہ کرنا تھا عالم میں یوں مجھے
ایسی نگاہ ناز سے دیکھا تھا کیوں مجھے

الٰہی مت کسو[۲] کے پیش رنج و انتظار آوے
ہمارا دیکھئے کیا حال ہو جب تک بہار آوے

کیوں[۳] زاہد سبحہ کا تو نام لے وہ صنم کب رام ہوتا ہے خدا کا نام لے

خداوندا اٹھانے ہجر کے درمیان سون پردے
ہمیں صیاد کے اب دام میں ڈالا ہمیں پردے

برچھی کو پکڑ ہاتھ میں آتے ہو اکیلے
کیا راج بہادر ہو سجن روپنگر کے

---

۱ سخن شعرا — مزاجون۔
۲ تذکرہ مسرت افزا — کسی اور یہی صحیح ہونا چاہئے۔
۳ بیاض سید نجیب اشرف ندوی۔ شیخ کیوں جاتا ہے واں تسبیح کا تو دام لے۔

رات کون آکر بسا مجھ پرہنس وہ گل بدن
ماہ جس کے باغ میں یک چاندنی کا پھول ہے

علی کے نانو کی تسبیح ورد کروں گا　　ہزار شکر کہ دانا امام پایا ہے

ہم سین کمان ابرو میدان پکڑ گیا ہے
قبضے تب وہ آوے گوشہ میں کھینچوں چلے

گندمی رنگ اگر نہ ہوئے پیدا　　حسن کا ان دنوں ہیں کال پڑے

کوئی تسبیح اور زنار کے جھگڑے میں مت بولو
کہ آخر ایک ہیں آپس میں دونوں بیچ رشتا ہے

پچھلے بادشاہوں اور ناموروں کے حال پر عبرت

ایک دن آخر کو سب اٹھ جائیں گے
کچھ نہ نیک و بد سوا لے جائیں گے
مال و منصب کے تئیں جاویں گے چھوڑ
رشتۂ الفت کے تئیں جاویں گے توڑ
خویش و بیگانہ کوئی جاوے نہ ساتھ
یک بیک مل مل کے رہ جاویں گے ہاتھ
چشمِ عبرت سے ذرا دیکھو یہاں
حضرت آدم سے لے تا ایں زماں
کیا ہوئے وہ بادشاہِ نامور
کیا ہوے وہ اہل جاہ و اہل زر
کیا ہوا اسکندر صاحب قران
کیا ہوا جمشید دار آئے جہاں
کیا ہوا قارون و کسری کیقباد
کیا ہوا نمرود اور شداد و عاد
کیا ہوا رستم ہوا کیا پیر زال
کیا ہوا وہ کرّ و فر جاہ و جلال
کیا ہوے حضرت سلیمان نامدار
کیا ہوئے وہ ملک و مال بے شمار
کیا ہوئے یوسف عزیز دو جہاں
کیا ہوئے یعقوب پیر ناتواں
چھوڑنا دنیا کا اک دن ہے ضرور
چار دن کو رنج ہو یا ہو سرور
رنج دنیا کا تحمل کیجیے
عیش باقی کو عوض میں لیجیے
جب کہ مرنا ہے مسلم دوستو
ہے برابر تخت ہو یا تاج ہو
جتنے قول و فعل ہیں اے خوشخصال
حشر میں ہر ایک کا ہوگا سوال
ہو سکے جتنی کرو تم بندگی
تا نہ ہو حشر میں شرمندگی

زندگی مقصود بہر بندگیست
زندگی بے بندگی شرمندگیست

لہ یہ نظم مجموعہ سخن حصہ اول مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ ۱۸۹۶ء

کتابیات

۱۔ معمولات مظہری — مولوی نعیم اللہ بہرائچی — مطبع نظامی کانپور ۱۲۷۵ھ

۲۔ مقامات مظہری — سید شاہ غلام علی شاہ صاحب — مطبع احمدی دہلی ۱۲۶۹ھ

۳۔ کلمات طیبات — مولوی حافظ محمد علی مراد آبادی — مطبع مطلع العلوم مراد آباد ۱۳۰۸ھ

۴۔ خریطۂ جواہر — حضرت مرزا مظہر جان جاناں — مطبع مصطفائی کانپور ۱۸۴۷ء

۵۔ آب حیات — مولانا محمد حسین آزاد — مطبع شیخ مبارک علی لاہور

۶۔ دیوان درد — ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی — مکتبہ جامعہ دہلی ۱۹۶۳ء

۷۔ مرقع شعراء — رام بابو سکسینہ — مطبع دھومی مل دھرم داس دہلی ۱۹۵۶ء

۸۔ آئین اکبری جلد اول — ابو الفضل — ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۸۷۲ء

۹۔ داستان تاریخ اردو — حامد حسن قادری — لکشمی نرائن اگروال آگرہ

۱۰۔ خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل — غلام سرور — مطبع ثمر ہند لکھنؤ ۱۸۷۳ء

۱۱۔ دیوان میرزا مظہر (قلمی) بفرمائش نواب محمد مبارک علی خاں ابن نواب یوسف علیخاں نوشتہ شد مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۱۲۔ دریائے لطافت — پنڈت برجموہن کیفی — انجمن ترقی اردو ہند ۱۹۳۵ء

۱۳۔ تذکرۃ الشعراء (گلشن بے خار) — نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ — نفیس اکیڈمی بلاسس اسٹریٹ بمبی نمبر ۱ ۱۹۶۳ء

۱۴۔ سیرت المتاخرین — غلام حسین طباطبائی — نول کشور پریس لکھنؤ ۱۸۹۷ء

۱۵۔ آثار الصنادید — سر سید احمد خاں — مطبع سید الاخبار ۱۸۴۷ء

۱۶۔ مخزن نکات — قیام الدین قائم — انجمن ترقی اردو اورنگ آباد ۱۹۲۹ء

۱۷۔ لب الاسرار (قلمی) — از میرزا مظہر جان جاناں — آزاد لائبریری علی گڑھ

۱۸- گلشن گفتار	مرتبہ سید محمد ایم۔اے	آزاد لائبریری علی گڑھ
۱۹- اکبر نامہ	ابو الفضل	ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۸۷۹ء
۲۰- تذکرہ ریختہ گویاں	فتح علی گردیزی	انجمن ترقی اردو ہند ۱۹۰۶ء
۲۱- مکتوبات امام ربانی جلد اوّل	از مریدان خاص	نول کشور پریس لکھنؤ ۱۸۷۷ء یا ۱۲۹۴ء
۲۲- مکتوبات امام ربانی جلد دوم	از مریدان خاص	نول کشور پریس لکھنؤ " "
۲۳- مکتوبات امام ربانی جلد سوم	از مریدان خاص	نول کشور پریس لکھنؤ " "
۲۴- گلشن ہند	میرزا علی لطف	انجمن ترقی اردو ہند ۱۹۰۶ء
۲۵- مزارات اولیائے دہلی	محمد عالم شاہ فریدی	جید برقی پریس دہلی ۱۹۲۷ء
۲۶- تاریخ مشائخ چشت	پروفیسر خلیق احمد نظامی	ندوۃ المصنفین ۱۹۵۳ء
۲۷- مقامات خیر	از حضرت مولینا شاہ زید ابو الحسن شاہ صاحب فاروقی۔	مطبع جمال پرنٹنگ پریس دہلی ۱۳۹۲ء
۲۸- دریائے لطافت	انشاء اللہ خاں	چھاپہ خانہ آفتاب عالمتاب مرشد آباد ۱۲۶۶ھ
۲۹- تذکرہ ہندی گویاں	غلام ہمدانی مصحفی	انجمن ترقی اردو ہند ۱۹۳۳ء
۳۰- سودا	شیخ چاند	انجمن ترقی اردو ہند ۱۹۳۶ء
۳۱- دیوان مظہر	میرزا مظہر جان جاناں	مطبع مصطفائی کانپور ۱۲۷۲ھ
۳۲- دیوان تاباں	عبد الحئی	انجمن ترقی اردو ہند ۱۹۳۵ء
۳۳- اردو غزل	ڈاکٹر یوسف حسین خاں	مکتبہ جامعہ دہلی ۱۹۵۲ء
۳۴- ماہنامہ ادیب علی گڑھ	مدیر ابن فرید	جامعہ اردو علی گڑھ مارچ ۱۹۶۲ء
۳۵- حجۃ البالغہ	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	نور محمد المطابع وکارخانہ کراچی ۱۳۰۲ھ
۳۶- دلی کا دبستان شاعری	نور الحسن ہاشمی	انجمن ترقی اردو پاکستان ۱۹۴۹ء
۳۷- چمنستان شعراء	لچھمی نرائن شفیق	انجمن ترقی اردو ہند ۱۹۲۸ء
۳۸- گلشن بے خار	مصطفیٰ خاں شیفتہ	نول کشور پریس۔ لکھنؤ ۱۸۷۴ء
۳۹- کلیات سودا	میرزا رفیع السودا	نول کشور پریس۔ لکھنؤ ۱۹۳۲ء
۴۰- کلیات میر	میر تقی میر	نول کشور پریس۔ لکھنؤ ۱۹۴۱ء

۴۱- ذکر میر — میر تقی میر — نول کشور پریس — ۱۹۳۵ء

۴۲- نکات الشعراء — میر تقی میر — انجمن ترقی اردو ہند — ۱۹۳۵ء

۴۳- میرزا مظہر جان جاناں کے خطوط۔ خلیق انجم۔ — مکتبہ برہان اردو بازار دہلی — ۱۹۶۲ء

۴۴- شعر العجم جلد پنجم — علامہ شبلی — معارف پریس اعظم گڑھ — ۱۹۴۰ء

۴۵- ارواح ثلاثہ — مولوی اشرف علی تھانوی — مکتبہ امداد الغربا سہارنپور

۴۶- شعر الہند — مولانا عبد السلام ندوی — دار المصنفین اعظم گڑھ — ۱۹۳۵ء

۴۷- مصحفی اور ان کا کلام — ابو اللیث صدیقی — شیخ مبارک علی لاہور

۴۸- تذکرہ شعرائے اردو — میر حسن — انجمن ترقی اردو ہند — ۱۹۴۰ء

۴۹- تذکرہ اہل دہلی — سر سید احمد خاں — انجمن ترقی اردو پاکستان — ۱۹۵۵ء

۵۰- مقالات شبلی جلد سوئم — علامہ سیفی — دار المصنفین اعظم گڑھ — ۱۹۲۳ء

۵۱- نفحات الانس — مولانا جامی — نول کشور پریس لکھنؤ

۵۲- گل رعنا — مولانا عبد الحی — دار المصنفین اعظم گڑھ — ۱۳۶۴ھ

۵۳- دیوان یقین — انعام اللہ خاں یقین — انجمن ترقی اردو ہند — ۱۹۳۰ء

۵۴- اردو ترجمہ عوارف المعارف — مولوی ابو الحسن — مطبع نول کشور لکھنؤ

۵۵- طبقات سخن — مبتلا میرٹھی — بحوالہ ہماری زبان علی گڑھ جلد ۱۹

۵۶- ثمر راشدین (قلمی) حضرت سید سرفراز علی خدیو (قلمی) — ۱۳۰۵ھ

۵۷- انوار احمدیہ — مولانا حکیم وکیل احمد نقش بندی سکندر پوری۔ مطبع مجتبائی دہلی — ۱۳۱۲ھ

۵۸- اردو زبان کی تاریخ کا خاکہ — ڈاکٹر مسعود حسین خاں — ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ

۵۹- مکاتیب میرزا مظہر (قلمی) کتب خانہ حضرت شاہ زید ابو الحسن شاہ صاحب فاروقی مجددی

۶۰- مکاتیب میرزا مظہر — عبد الرزاق قریشی — علوی بک ڈپو بمبئی — ۱۹۶۶ء

۶۱- میرزا مظہر جانِ جاناں — خلیق انجم

۶۲- انتخاب کلیات سودا — سید مطلب حسین — مطبع رام نرائن لال الہ آباد — ۱۹۲۷ء

۶۳- ہدیۂ مجددیہ — مولانا وکیل احمد نقش بندی سکندر پوری مطبع مجتبائی دہلی — ۱۳۱۲ء